



دیوان غالب

ڈاکٹر سید محمد انور

دیوان غالب

نسخہ جو علی

تعارف، توضیحات اور اضافات:

ڈاکٹر سید معین الرحمن

الوفاء پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳، ۷۵۰۰۰، لاہور - پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

سہ ماہی اشاعت: اگست ۲۰۰۰ء

ناشر: سید وقار حسین
| سہ ماہی | 408750-0300

طابع: تنظیم پر غرض "جنگری بی پادک" لاہور

قیمت: ۱۳۹۰/- روپے

پادشاهی صفحہ ۷	○ ڈاکٹر سید مصححین الرحمن	"نسخہ نوحیہ" - یہ ایڈیشن
۹	○ ڈاکٹر سید مصححین الرحمن	حرفے چند:
۱۳	○ پروفیسر آل احمد سرور	تقدیریات:
۱۴	○ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ	

مخطوطے کا تعارف

۱۶	○ نعلی نسخہ نوحیہ: اہمیت، مشمولات، زمانہ ترتیب، ماقبل اگست ۱۸۵۲ء
۱۹	○ نعلی نسخے کی حکایت کا معاملہ: از باقیات انقلاب ۱۸۵۷ء
۲۱	○ نسخہ نوحیہ میں غالب کے قلم کی اصلاحیں، ترمیمات اور اضافے
۲۳	○ نسخہ نوحیہ میں کتابت کے سبب اور الفاظ
۲۶	○ نسخہ کا ہور، متعارف، مولانا امتیاز علی خاں عرشی
۳۰	○ نعلی نسخہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، متعارف: قاضی عبدالودود
۳۳	○ دیوانی غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ، متعارف: ڈاکٹر سید عبداللہ
	○ مولانا عرشی، قاضی عبدالودود اور سید عبداللہ کے متعارف مخطوطات،
۳۶	○ اور نسخہ نوحیہ میں نمایاں اختلاف اور مماثلتیں
۴۱	○ نسخہ نوحیہ: اکلام غالب کی زمانی ترتیب و تدوین کی لازمی کڑی
	○ نسخہ نوحیہ: مئی ۱۸۳۷ء سے اگست ۱۸۵۲ء کے مابین غالب کے
۴۴	○ اردو کلام کی تعمیر کا واحد ماخذ

مخطوطے کا عکسی متن:

قلمی صفحہ: ۱	پاورقی صفحہ: ۴۶	○ فارسی دیباچہ غالب
۳	۵۸	○ غزلیات:
۱۰۵	۱۵۰	○ قصیدہ: یہ ثنائے حضرت علی مرتضیٰ
۱۰۷	۱۵۲	○ قصیدہ: فی السجبت
۱۰۹	۱۵۴	○ درد مدح: سراج الدین محمد بہادر شاہ
۱۱۴	۱۵۸	○ بہادر شاہ ظفر کی مدح میں
۱۱۶	۱۶۱	○ قطعہ: قسم تو ہم سے کر یہ بھی کہیں —
۱۱۶	۱۶۱	○ قطعہ: بیتا لیش نکلتے
۱۱۸	۱۶۳	○ قطعات: سپاسِ ہدیہ، کچن ڈلی، مثنوی روٹی
۱۱۸	۱۶۴	○ قطعہ: اے شہنشاہ فلک مظہر و بے مثال —
۱۱۹	۱۶۴	○ قطعہ: منظور ہے گزارشِ احوال واقعی
۱۲۰	۱۶۵	○ رباعیات:
۱۲۳	۱۶۸	○ خاتمہ: تقریر، نواب محمد ضیاء الدین خان

اضافات مرتب:

۱۷۴	○ اسٹاف دار کلام غالب کی توقیت
۱۸۹	○ توضیحات و تعلیقات
۲۱۶	○ اردو ترجمہ — دیباچہ غالب
۲۱۷	○ فارسی خاتمے کا اردو ترجمہ
۲۲۱	○ فہرست اشعار نسخہ نغلیہ
۲۲۹	○ مرتب کا سوانحی خاکہ
۱-۵	○ انگریزی میں "نسخہ نغلیہ" کا مختصر تعارف



میرے کرم فرما

انگریزی اور اردو ادبیات کے معروف عالم،
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے نامور استاد اور
گورنمنٹ کالج، لاہور کے پرنسپل

پروفیسر خواجہ منظور حسین مرحوم

دیوان غالب کے پیش نظر نمونہ ہے یہاں کی اشاعت کے ولی خواہاں تھے۔
میں مرحوم کی یاد میں دیوان غالب کے اس نادر خطی نسخے کو خلیلہ صاحب
کے نام نامی اور اہم گرامی سے منسوب اور موسوم کرنے کی سعادت حاصل
کر رہا ہوں۔

— ڈاکٹر سید معین الرحمن

دیوانِ غالبؔ

کے اس ڈی لکس ایڈیشن کی اشاعت
بڑی حد تک

- بیگم سرفراز اقبال
- انبساط امین عباسی

اسلام آباد
فیصل آباد

اور پاکستان سے باہر کے دو مہربان گھرانوں:

- عبدالوہاب خاں سلیم
- بیگم خورشید سلیم
- سید رشید اختر

نیویارک امریکہ
وینکوور کینیڈا

کی اعانت اور توجہ سے ممکن ہو سکی
اللہ ان سب کو شاد و دلشاد و شادمان
اور

غالب پر مہربان رکھے!

ڈاکٹر سید نعین الرحمن

تجدیدِ نعت کے طور پر بعد از عرض کرتا ہوں کہ میرا ذخیرہ نوادر جو اہل علم کے لیے مدت سے دل چسپی کا مرکز چلا آ رہا ہے، آج ایک تہائی صدی سے زیادہ کی مسلسل آجہادی اور بے غلّ کوٹہ کے نتیجے اور صرف بے شمار کے بعد ”غالیات“ کے حوالے سے پاشہ خاصا مضبوط ہے اور ملک بھر کی حد تک نہ سکی، اجالتِ پنجاب کی حدود میں اسے ”بے مثال“ کہنا کسی حد تک ضرور قابلِ فہم ہے۔

اپنے اس پرس کلکشن کی سب سے زیادہ قیمتی متاع میں ”نثرِ نغویہ“ کو قرار دیتا ہوں۔ دو چاند غالب (اردو) کے اس معاصر غلطی نسخے موسومہ ”نثرِ نغویہ“ پر غالب کے اپنے قلم کی اصلا میں موجود اور ثبت ہیں۔ طوائی کام سے آراستہ ٹاپانڈ آرائش کے حامل اس نادر ماخذ کی ایک بڑی وجہ اہمیت یہ ہے کہ صرف اس مختصر پر فرد غلطی نسخے کی بنیاد ہی پر غالب کے چار سو کے قریب اشعار کا زمانہ تخلیق حقیقت میں کرنا ممکن ہوتا ہے۔

میں ”نثرِ نغویہ“ کو مطالعہ غالب کی پوری تاریخ میں ایک بہت اہم دستاویز جانتا ہوں۔ غالب دوست بے خبر نہیں کہ نثرِ بھوپال انسو کیمید یہ کی ”اصل“ بر باد و نابود ہو چکی — نثرِ کھرواہہ انسو نغوش نغویہ غالب کی ”اصل“ بھی گم اور معدوم ہے — میں اسے اپنا اعزاز اور امتیاز جانتا ہوں کہ ”دو چاند غالب“ کے زیرِ نظر معاصر اور نادر غلطیوں کی حفاظت اور ترتیب و تدوین مجھ سے بنے آئی۔ ہماری ادنیٰ جارح کے بہت سے پچھلے حالات کی طرح یہ قیمتی نسخہ بھی غریب و یا ضائع ہو جاتا تو اب غالب کتنا غریب رہ جاتا! اور یہ کس وجہ غلّیں محرومی اور جہی مانگی ہوئی!!

اس پس منظر میں میرا احساس تھا اور برسوں سے میں کہتا چلا آ رہا تھا کہ ”نثرِ نغویہ“ ایک اہم اور نادر قومی ورثہ ہے، میں غنمی حیثیت میں اس کی حفاظت کب تک کر سکوں گا؟ اسے میرے ذاتی ذخیرے میں رہنے کے بجائے عام استناد اور حفاظت، ہر دو حوالوں سے کسی مرکزی علمی ادارے یا میوزیم میں ہونا ضرور رکھا جانا چاہیے۔ (دیکھیے ”دو چاند غالب، نثرِ نغویہ — تجزیہ و تحقیق“ مرتبین: ڈاکٹر سید معراج نیر اور اصغر عظیم سید، الوداد پبلی کیشنز، لاہور، صفحہ ۶۳، نیز صفحہ ۳۱۷ تا ۳۲۱)

خدا کا شکر ہے کہ بلاخر میری یہ خواہش اور کوشش بار آور ہوئی اور ۲۱ اگست ۲۰۰۰ء کو ”نسخہ نمونہ“ غالب کی اصل مخطوطے کو بدلتا پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے لیے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تحویل و تحلیف میں دیا ممکن ہو سکا۔

”دعایاں غالب، نسخہ نمونہ“ نومبر ۱۹۹۸ء میں پہلی بار چھپا تھا۔ اب، ”نسخہ نمونہ“ کی یہ دوسری اشاعت مباحث و مطالب میں ضروری ترمیم اور ترقی کے بعد ڈاکٹر گیس ایڈیشن کی صورت میں غالب دوستوں کی نذر کی جا رہی ہے۔ مجھے نہیں یقین کہ غالب کا نظریہ فہ کوئی مخطوطہ اس وجہ محنت و محبت اور حسن و جمال کے ساتھ کبھی چھپا ہو۔ میراتن کے اسلوب میں کہتا ہوں کہ ”جو کوئی اسے پڑھے اور دیکھے گا، گویا ہانگ کی سیر کرے گا، جگہ ہانگ کو آفت خزاں کی بھی ہے اور اسی کو نہیں، یہ ہمیشہ سرسبز رہے گا۔“ کاٹی ایسا ہی ہو۔

”نسخہ نمونہ“ کے اس ڈاکٹر گیس ایڈیشن کا چہرہ مہرہ بنانے اور نکھارنے میں عزیز بی سید وقار نصیبن جس فنکارانہ صلاحی اور خوش ذوقی کو ہم سے کار لائے ہیں، اس کے لیے وہ بجا طور پر نردود ذلتا کی جانب سے دارود و ما اور انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔

(ڈاکٹر سید نصیبن (رحمن)

اگست ۲۰۰۰ء

”ادوار“ ۵۰، پوز پال، ۶، پور۔ ۵۴۰۰۰





غالب سے میرے تعلق خاطر کی کہانی، پچھلی ایک تہائی صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج، لاہور کے شعبہ اردو سے بلور لیچرار اپنی دایستگی کے زمانے (۱۹۶۵-۱۹۶۶ء) میں پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر اور پروفیسر سید وقار عظیم، شعبہ اردو کے صدر تھے۔ انہوں نے غالب کی صد سالہ بری کو شاہین شاہن طور پر منانے کے لیے مجلس یادگار غالب، قائم کی اور اس مناسبت سے بڑے پیمانے پر غالب کے بارے میں کتابوں کی تصنیف و تالیف اور تصانیف غالب کے حقیقی ایڈیشن ترتیب دینے کا پروگرام وضع ہوا۔

مجلس کی جانب سے نگارشات غالب کا اشاریہ مرتب کرنے کی خدمت میرے سپرد ہوئی اور ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے میری کتاب "اشاریہ غالب" شائع کی۔ کام کی نوعیت ایسی تھی کہ پھر غالب، میرے شوق اور مطالعے کا لازمی حصہ بن گئے۔ میرے اپنے شوق یا رغبت اور لگاؤ سے قطع نظر "غالبیات" کی طرف مجھے لانے میں پروفیسر سید وقار عظیم اور پروفیسر حمید احمد خاں کا بھی دخل ہے۔ غالب، میری منزل ہے، یہ "در یافت" بڑی حد تک انہیں بزرگوں کی ہے۔ انہوں نے مجھے کام پر لگایا، بنوایا اور جگہ پر میرے لیے عمر بھر کی راہ چھین کر دی۔

میری ابتدائی ادبی کاوشوں سے میرا حوصلہ بڑھانے اور مجھے اعتماد کی دولت عطا کرنے میں، اسکول اور کالج کے زمانے کے بعض مہربان اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا بھی ایک مستقل کردار ہے، پھر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی شفقت اور دل داری میرے لیے ایک الگ اور مستقل باب رحمت ہے۔

پاکستان میں مجھے غالب پر لپٹی آنچل ڈی کی پہلی سب فہرست حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ میں نے یہ حقیقی کام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی گمرانی میں پورا کیا۔ ۱۹۷۲ء میں سندھ یونیورسٹی، جامشورو سے یہ ڈگری تفویض ہوئی۔ ان سائنس انجینئرسوں (۱۹۷۲ء-۲۰۰۰ء) میں ٹیبل موضوعات دیگر، میں نے غالب پر کام کرنے اور کرانے کی

جانب اپنی توجہ مرکوز رکھی اور مجھے اپنے متعدد ذی استعداد متعلمین کو غالب پر کام کرانے کی خوشی حاصل ہوئی۔

اس عرصے میں یونیورسٹیوں یا اُن اعلیٰ تعلیمی اداروں میں جہاں ایم۔ اے (اُردو) کی تدریس کا اہتمام و انتظام ہے، غالب سے شغف بڑھا ہے اور یہ روایت کسی قدر جوانا اور مضبوط ہوئی ہے۔ میرا احساس اور تجربہ ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی کہ علم و ادب اور اس میں فضل و کمال اور اختصاص کو رو بہ زوال سمجھا جائے گا ہے، اعلیٰ مدارج کے توفیق اور ذی استعداد متعلمین کے لیے غالب نے کشش کوئی نہیں ہے۔ ان کے شرح احوال، ان کی شخصیت اور ان کے کام اور فن کے مطالعے کا میدان روز بروز بکثرت اور بے شمار ہوتا جا رہا ہے۔

غالب میری کھردری بھی ہے اور قوت بھی۔ غالب پر میں جو کچھ کہ، یا کر سکا، اس سے مطمئن نہیں، لیکن کچھ ایسا شرمندہ بھی نہیں ہوں۔ غلامیہاں، میری بے بھائی کا نتیجہ اور کامرانیوں اپنے بزرگوں کی توجہات کا انعام ہیں۔ مجھ ظرف کی نسبت ایک بڑی مسند سے ہے، میری مراد اُسنا محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی ذات گرامی سے ہے جن کی تحریک، تانیہ اور نگرانی میں غالب پر میں حقیقی کام کر سکا اور اس سلسلے کو کسی قدر پاییدہ اور باثرب بنا سکا۔

غالب پر اپنے کام ہی کی تخصیص نہیں، اپنے دوسرے علمی کاموں پر بھی اگر میری تھیں ہوئی ہے اور انہیں اشتقاق سے زیادہ قبولیت اور پذیرائی نصیب ہوئی ہے تو یہ منہاب اللہ ہے۔ لیکن ان سب اعزازات اور عزت افزائیوں کو میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نظر کیجا، اثر اور پرفیورسٹی و قائد عظیم کے نہیں تربیت سے خالی نہیں پاتا:

خرام ٹہجھ ہے، نہا ٹہجھ ہے، گلستاں ٹہجھ ہے!

غالبات کے سلسلے میں میری تازہ ترین علمی کاوش اور کجنگ کاوی ”دیوان غالب، نسخہ کاتب“ کی تدوین ہے۔ اس میں بیہتکی نسخے کا میرے ذخیرہ غالبات کا حصہ بننا بہاے خود ایک خدا ساز بات ہے۔ کتاب سے رجحان اور شوق و شغف دیکھنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ بار و نایاب کتابیں آئے دن ہاتھ نہیں آتیں اور یا پھر یک بارگی بار بار دہشت ہو جاتا ہے، یہ اس شخص اتفاق یا نصیب کا معاملہ ہے۔

۱۹۸۱ء کے پس و پیش، مجھے آگے پیچھے لاہور میں پرانی کتابوں کے ایک کاروباری مرکز، انارکلی کے فٹ پاتھ سے تین بار مطالعہ کتابیں اور دو قیمتی مخطوطے ملے۔ ان میں غالب کے اُردو دیوان کا ایک ایسا مخطوط بھی تھا،

جس کی کتابت غالب کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں ہوئی۔

— زبرد نظر کام اس نسبت ہے نہایت کو مستحق خاص و عام بنانے کی ایک مخلصانہ اور دہانہ کوشش ہے۔ امید ہے کہ اس پیش کش کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

۳

غالب کے اردو دیوان کا یہ اہم تخلیقی نمونہ ہے ذخیرہ غالبیات کی سب سے زیادہ قیمتی سوغات ہے۔

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیجیے!

”نثر خوبہ“ جو اپنے وقت میں بڑے مثالی اہتمام اور کاوش کے ساتھ تیار ہوا، اغلب ہے کہ نواب ضیاء الدین احمد خاں خیر و بخش یا کسی شہزادے کے ذخیرے کا گہر گم گشت ہو۔ ایک قابل قبول قیاس یہ بھی ہے کہ یہ نثر مہاراجہ جے پور کی تحویل میں رہا۔ یہ امر بہر حال یقینی ہے کہ دیوان غالب کا یہ قیمتی نسخہ ۱۸۵۷ء کی لوٹ مار اور غارت گری کی پانچیات میں سے ہے اور بے حد نادر ہے۔

دیوان غالب (اردو) کے معاصر تخلیقی نسخوں، یعنی غالب کی زندگی میں لکھے گئے معلوم قلمی نسخوں میں ”نثر خوبہ“ ہی وہ واحد نمونہ رہ گیا ہے جس کی بنیاد پر غالب کے ۱۸۵۴ء کے نصف اول تک کے اردو کلام غالب کی نشاندہی ممکن ہے۔ غالب کا مشہور دیوان ۱۸۰۰ء کے قریب اشعار پر مشتمل ہے۔ ان میں تقریباً چار سو اشعار کی حد تک کلام غالب کا زمانی تقصین ”نثر خوبہ“ ہی کی مدد اور مستند حوالے سے ممکن ہوتا ہے۔ اس نسخے کی ایک وجہ فضیلت اور اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ غالب کے پیش نظر رہا ہے اور اس میں متعدد مقامات پر خود غالب کے قلم سے اشعار کی درستی عمل میں آئی ہے۔

اگلے صفحات میں طبعی کام سے آراستہ و شہاد آرائش کے حامل، غالب کے اردو دیوان کے اس اہم معاصر قلمی نسخے کو اصل رنگ و روپ میں شائع کیا جا رہا ہے جس سے مجدد غالب کے اس مخطوطے کے بے مثال حسن و جمال اور غنایت و نزاهت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ کام برسوں کی ریاضت اور محنت کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تکمیل کا معاملہ تو خیر ایک نیا دیکھے موبہوم نقطہ یا نارسا آرزو کا سا ہے۔ اس کی حد یا منزل کیسے دیکھی اور پائی ہے۔ ہزار احتیاط اور محنت کے باوجود، کورسروہ جاتی ہے۔ ”ناتمامی“ ہی کسی کام اور کارنامے کے ”انسانی“ ہونے کی پہچان ہے۔ — جہاں صاحب نظر و خبر ہیں، ان

سے غلو اور اصلاح کا طالب ہوں اور جن دوستوں کا جی، اس کام سے بچلے اور خوش ہو، ان سے دار اور دُعا کا امیدوار ہوں۔ انہماک کار جو کچھ بن چکا، اُسے ”نسخہ خوبہ“ کے نام سے غالب دوستوں کی تذکرہ رہا ہوں۔ یہ کام جو میری برسوں کی محنت پڑھی اور جاں کا ہی کا حاصل ہے، خدا کرے جہاں غالب میں قابلِ اعتبار نظر ہے۔

(۳)

دیوانِ غالب، نسخہ خوبہ کا ”تعارف“ (صفحہ ۱۵-۳۳)، دہلی ضروری مباحث کے احاطے اور تجزیے پر

مشتمل ہے۔

دقیقیہ کی حق کے حصے میں بالائی صفحات نمبر (صفحہ ۱-۱۷) مخطوطے کے اصل حقیقی صفحات کو اور پادری فیئر کتاب کے مسلسل شمار کو ظاہر کرتے ہیں۔ مخطوطے کے دقیقہ کی صفحے کے بعد ”اضافات“ کے تحت — ضروری دلائلوں کے ساتھ تمام ضروری اسامی مآخذ کو سامنے رکھتے ہوئے، اس دیوان میں شامل، غالب کے سارے کام کا اسٹاف دار زمینی تہذیب تخلیق مرتب کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ توقیت زمانی کے اس گوشوارے (صفحہ ۱۷-۱۸۸) سے غالب کے متعلقین کو (اور شاید کچھ متعلین کو بھی)، غالب کی ہالیدی کی فکر اور وقت انہماک کے سمجھنے میں مدد ملے گی اور ان کے لیے یہ اندازہ لگانا کسی قدر آسان ہو سکے گا کہ مری کس منزل میں غالب، کس درجہ تحقیقی و فخر کے حامل تھے اور اظہار خیال کے لیے کن برسوں میں انہوں نے کن اسالیب کو برتا۔

نزلوں، قصائد، قطعات اور رباعیات کے قیمتی زمانہ تحقیقی کے گوشوارے کے علاوہ ”اضافات“ کے حصے میں ”توضیحات و تعلیقات“ (صفحہ ۱۸۹-۲۸۳) کے مباحث بھی توجہ طلب ہے۔ ان کی تیج بندی میں کیا گزری، اس بارے میں خاموش رہنا افضل ہے۔ اس لیے کہ جو جانتے ہیں، وہ جانیں گے اور جو نہیں جانتے وہ جانتے پر بھی کیا جان پائیں گے!

غالب نے اپنے اردو دیوان کا دیباچہ ۱۸۳۳ء میں مکمل کیا۔ یہ فارسی دیباچہ غالب کی زندگی میں چھپنے والے ان کے اردو دیوان کی برائیت میں شامل رہا۔ اس فارسی دیباچے کا اردو ترجمہ بھی، جسے کٹافات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (صفحہ ۲۸۶-۲۸۷)۔ کہنے کو یہ فارسی دیباچہ چند سطری ہے لیکن ترے کے لیے یہ کتنا سنگین ہے، اس کا اندازہ، کچھ اس کام کو ہاتھ میں لیے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ترجمے کی دشوار گزار مہم، ڈاکٹر لاہم مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر نعیم الاسلام، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور بلا غرض ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی رہنمائی اور رفاقت میں آسان ہوئی۔

غالب کے اردو دیوان کے خاتمے کی غاری عمارت نواب محمد ضیاء الدین احمد خاں نیر اور خٹن کے قلم سے ہے۔ اس غاری تقریباً - خاتمے (تقریباً ۱۸۳۸ء-۱۸۳۹ء) کے اردو ترجمے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے (صفحہ ۲۱۷-۲۱۸)۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی تائید اور تصحیح کے بعد، اس ترجمے کی طرف سے اطمینان ہونا چاہیے اور خاتمے کے اردو ترجمے کی یہ اسج اور کوشش مستحسن نظر آئی۔ جس کے لیے میں دور و نزدیک کے سب کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوں۔

۵

اس نسخے کی تدوین و اشاعت میں کئی کھمبیاں اٹھان پڑی، ان سب معاملات و مراحل اور "منازل سلوک" پر اپ پلٹ کر نظر ڈالنا اور غور کرنا ہوں تو حیرت ہوتی ہے اور باور نہیں آتا کہ ویہ درجہ کی اور سوزن کاری کا یہ مشکل کام، برسوں کے زہت جگہ، اپنی کڑور محنت اور دوسری ذہن داروں کے ساتھ، کیوں کر مجھ سے ہی آیا؟ یہ شاید عشق، شغف اور لگن ہی ہے جس کے مل پر دنیا میں اُن ہونے کام ہوئے ہیں۔

دیوان غالب (اردو) کے اس نایاب اور اہم خطی نسخے کی تدوین اور اشاعت برسوں سے میری تمنا اور ترجیح تھی۔ یہ توفیق ایضاً دی۔ ہذا فرغ غالب کے دوصد سالہ جشن ولادت کے یادگار موقع پر (۱۹۹۸ء میں) اس قیمتی اور نادر الوجود مخطوطے کی تکمیلی اشاعت اور تدوین ممکن ہو سکی۔

غالبیات پر اپنی نظری کی حد تک میں کسی قدر افکار آمیز جلو کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ غالب کا "نثر یافتہ" ان کے اردو دیوان کا کوئی نسخہ آج تک اس سہنا اہتمام کے ساتھ مرتب اور شائع نہیں ہوا۔ خدا کا شکر کہ اس کاوش نے قبول عام و خاص پایا، میری محنت بارور ہوئی۔ "نسخہ نولہ" کا یہ دوسرا ایڈیشن میرے اس دعوے کی دلیل ہے۔

محمد

[ڈاکٹر سید نعیم الرحمن]

نظر ثانی: اگست ۲۰۰۰ء

محمد

"الوکار"

۵۰۔ لوہر مال، لاہور - ۵۳۰۰۰

نعمین صاحب نے یہ اچھا کیا کہ دیوان غالب کے نایاب نسخے کو خوبصورت صاحب سے منسوب کیا اور اس کا نکتہ چھاپ رہے ہیں۔ خوبصورت منظور حسین صاحب ہمیشہ غالب کے بڑے مداح اور محترم رہے۔ اُن کی یادگار قائم کرنے کے جذبے کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ اُمید ہے کہ یہ مخلصانہ اور نیک دلائل کوشش بے سود نہ ہوگی اور ”نسختہ خوبصورت“ کی پیشکش غالب اور خوبصورت منظور حسین کے سارے چاہنے اور جاننے والوں کی خوشی کا باعث ہوگی۔ بزرگ کلمے والوں سے ڈاکٹر سید نعمین الرحمن کی گہری دل بھنگی اور خوش فہمی کا بھی اعتراف ہوگا۔

”نسختہ خوبصورت“ نعمین الرحمن صاحب کا بڑا کارنامہ ہے اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا غالب کے بیشتر اُردو کلام کا زمانہ حصّہ کرنے میں اس سے بہت مدد ملے گی، کالی داس گپتا رضا کے مرتبہ دیوان غالب سے کلام غالب کے ادوار کی تقسیم میں مدد ملتی ہے۔ میں ایک طور پر اس نسخے کو اکرام اور عرش کے فضوں کے ساتھ اہمیت دیتا ہوں۔ اب یہ نعمین صاحب کا نسخہ مزید اہمیت کا حامل ہو گیا۔ ان کی عرق ریزی اور محنت کی داد دیتا ہوں۔ غالبیات میں پہلے ہی اُن کا مقام تھا، اب اور بلند ہو گیا۔ کتاب کی طباعت کی بھی داد دیتا ہوں۔ واقعی عربی جمیل اور لہجہ حریر اسی کو کہتے ہیں۔ — پروفیسر آل احمد سرو، علی گڑھ



”دیوان غالب“ کا یہ ایڈیشن قلمی فن کی اہمیت اور ڈاکٹر سید نعمین الرحمن کی تصدیقات اور محققانہ حواشی اور تعلیقات کی وجہ سے جملہ پیش رو ادوار میں غالب پر غالب ہے۔ نعمین صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ یہ ایڈیشن ان کی محنت و محبت کا ثمر ہے اور عشق کا مظہر ہے۔ اس دیوان کی طباعت سے انہوں نے اس زمین میں کام کرنے والوں کو گرویدہ احسان بخالیا ہے۔ بڑا اکمل اللہ اور مبارکباد!

— ڈاکٹر نجی بخش خاں بلوچ، حیدرآباد، سندھ

دیوان غالب

غالب کے اصلاحی دیوان کا اہم قلمی نسخہ

تعارف:

ڈاکٹر سید مجید الرحمن

غالب کے اردو دیوان کا یہ اہم قطعی نسخہ میرے ذخیرۂ غالبیات کی سب سے زیادہ بیش قیمت متاع رہا ہے۔ زیب دیتا ہے، اسے جس قدر اچھا کیسے! یہ معاصر قلمی نسخہ ۱۸۵۲ء تک کے کلام غالب پر مبنی ہے۔ یہ غالب کے خوش نظر رہا ہے اور اس میں متعدد مقامات پر خود غالب کے قلم سے اشعار کی دستی قلم میں آئی ہے۔

اس قلمی نسخے (= نسخہ مغلوبہ) کی عام حالت بہت اچھی ہے۔ مضبوط لیکن ہارک ہارمی کاغذ پر سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا، طرح طرح کے رنگوں کی سرخیوں سے مزین یہ نسخہ ازل تا آخر مکمل ہے۔ اسناد اس کی لوراق شہری نہیں ہوئی۔ میں نے حوالے اور مطالعے کی سہولت کے لیے سبز مارکر سے اس کے صفحات کا اندراج کر دیا ہے۔ ۱۲۷ صفحات پر مشتمل نسخہ مغلوبہ کی جدول جیسے (۶) رنگ کی ہے۔ پہلے صفحے سے آخری صفحے تک مطلقاً اور منتخب، خوشنما قلم ہوئے، انتہائی دیدہ زیب ہارک ہارمی، نفیس طلائی کام سے مزین، اس نسخے میں شامل اشعار کی ردیف اور صنف وار تعداد کا گوشوارہ یہ بنتا ہے۔

غزلیات (ردیف وار تعداد اشعار):

ردیف	غزلیں	شعر	ردیف	غزلیں	شعر
۱	۴۷	۲۸۳	۲	۱	۹
ب	۱	۱۴	۳	۹	۶۹
ت	۳	۱۹	۴	۳	۳۰
ج	۲	۳	ص	۱	۷
چ	۱	۶	ش	۱	۲

۱۔ انگریزی اور اردو ادبیات کے معروف عالم، میرے کرم فرما اور غالب کے قدر جان پروفیسر مغلوبہ منکورد حسین، (ولادت - دہلی ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء، وفات - لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۸۶ء) اس نسخے بے بہا کی اشاعت کے دل خواہ ہیں تھے۔ میں مرحوم کی یاد میں دیوان غالب کے اس نادر خطی نسخے کو طبع صاحب کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم اور منتخب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مغلوبہ منکورد حسین کے بہت سے نوادر اور تحریکات میرے پاس محفوظ ہیں۔ "مستطاب منکورد" کے نام سے جن کی تدوین اور اشاعت میری ترجیحات میں ہے۔

ع	۲	۸	۴	۳	۸
ف	۱	۲	۵	۳۱	۲۰۹
مک	۲	۱۵	۷	۷	۳۳
مگ	۱	۲	۵	۱	۳
ل	۱	۹	۷	۹۴	۵۸۰

کل غزلیں (۱۴۳):	تعداد اشعار:	۱۳۱۲
قصائد (۳):	اشعار	۱۶۲
قطعات (۶):	اشعار	۵۰
رباعیات (۱۲):	اشعار	۲۳
مجموعی تعداد اشعار:		۱۵۳۸

فیض کونجہ کے پہلے صفحے پر غالب کے فارسی دیباچے کی آٹھ سطریں آئی ہیں۔ اس صفحے کا تقریباً نصف ازالہ گمشدہ رنگ اور رنگ لوح نے گھیرا ہے۔ غالب کا یہ فارسی دیباچہ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں صفحہ ۳ کی پہلی سطر پر قلم ہوتا ہے۔ اس کے معا بعد پھر خوبصورت لوح ہے، جس کے نیچے غزلیں شروع ہو جاتی ہیں جن کا سلسلہ صفحہ ۱۰۵ کی دوسری سطر تک اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے پارہائے نکتہ واں کے لیے

غزلوں کے بعد صفحہ ۱۰۵ کی تیسری چوتھی سطر اس عنوان پر مشتمل ہے ”افزائیں آمدے کوہِ خن پہ شائے ابو الائمہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام والثناء“۔ اس عنوان کے دائیں بائیں ایک ایک سے کسی قدر کم دو مربعوں میں آرائشی نخل بونے بنائے گئے ہیں۔ حضرت علی کی شان میں یہ قصیدہ صفحہ ۷۱۰ کی پہلی تین سطروں تک ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد ”ایضاً فی المصہبت“ کے تحت دوسرا قصیدہ شروع ہو جاتا ہے، اور صفحہ ۱۰۹ کی سطر ۷ پر قلم ہوتا ہے۔ دو طرفہ خوبصورت لوح میں صفحہ ۱۰۹ کی آٹھویں نویں سطر کی عبارت، یہ ہے:

”در مدح شہنشاہ ہم جاہ سلیمان یارگاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی“

بہادر شاہ ظفر کی مدح کا یہ قصیدہ صفحہ ۳ کی آٹھویں سطر تک چلا ہے، اس کے بعد لوح میں ”ایضاً“ کا

عنوان دیا گیا ہے، جس کے تحت دوسرا قصیدہ ہے جو صفحہ ۱۱۶ کی نویں سطر پر ختم ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۱۶ سے قصائد کے بعد قلعہ شروہ ہو جاتے ہیں، جن کے عنوان کی عبارتیں اہتمام کے ساتھ لوح میں درج کی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۲۰ پر آٹھویں سطر کے بعد ”رہایات“ کی سرخی ہے۔ یہ رہایات صفحہ ۱۲۲ پر ختم ہوتی ہیں۔

نصوٰت الخواجه کے صفحہ ۱۲۳ کے آغاز میں سرخ روشنائی سے خطِ جلی ”خاتمہ“ کا عنوان وگلش لوح میں درج ہے۔ قاری میں یہ تقریباً نواب ضیاء الدین غرودیشاں کے ذورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ تقریباً صفحہ ۱۲۷ کی آٹھویں سطر تک گئی ہے۔ اس آخری صفحے کا قریب نصف آخر ایک وگلش لوح سے مزین ہے، جس کے وسط میں ایک کاغذ چسپاں ہے جو اگرچہ اپنے رنگ و روپ کے اعتبار سے معاصر اور قدیم معلوم ہوتا ہے اور اصل نسخے کے کاغذ کا ہم رنگ اور ہم عمر ہے، لیکن ظہرِ بظاہر یہ بعد کا اضافہ ہے۔ اس پر کسی ”فتح دین“ کے دھچکا ہیں، ایک دوسرے قلم سے ”فتح دین“ بھی لکھا گیا ہے۔ روشِ تحریر اور اہلِ کسی کم سواد پر دلالت کرتا ہے۔ غالباً یہ میں ”فتح دین“ نامی کوئی شخصیت معلوم نہیں۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں کیرودیشاں کے تقریباً خلی خاستے میں نسخے کی تکمیل کا سال ۱۲۵۳ ہجری بتایا گیا ہے۔

”... ہزار ان پاس کہ دریں زمان کہ منہ مقتدرہ ہجر یہ نویہ علی صاحبہا افضل التیات

و اکمل الأصوات یہ یک ہزار و دو سو ست و پچھ و چار رسید“ [صفحہ ۱۲۶]

۱۲۵۳ ہجری ۲۷ مارچ ۱۸۳۸ء تا ۱۶ مارچ ۱۸۳۹ء کے مطابق ہے، لیکن نصوٰت الخواجه میں غالب کا ۱۸۳۸ء

کے بعد کا کام بھی شامل ہے، اس لیے، یہ تاریخ ”خاتمہ“ کی عبارت کے اولین زمانہ تحریر کی ضرور ہے، ذہرِ ظہر نصوٰت الخواجه کے زمانہ ترتیب کی نہیں۔

نصوٰت الخواجه میں غالب کا معروف معذرتی قلعہ ”منکدر ہے گزارش احوال واقعی“ شامل ہے۔ (صفحہ ۱۱۹-۱۲۰) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کے لکھنے کے مطابق قوتی سے حریفانہ ٹکٹش کے ذیل میں سہرے کا ناخوشگوار واقعہ دسمبر ۱۸۵۱ء میں پیش آیا۔ مولانا امتیاز علی عرشی کے بقول۔

”یہ قلعہ سب سے پہلے مولوی محمد باقر دہلوی کے دہلی آورو اخبار، جلد ۱۳، نمبر ۱۳،

مورخ ۱۶ جمادی الآخر سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔“

۱۔ حیات غالب، لاہور ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۳۶ ۲۔ دیوانہ غالب، عرشی، لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۳۵-۱۳۶ (مثنیٰ)

مذکورہ اخبار میں اس قطعے کو اسی ہفتے کا کلام بتایا گیا ہے۔

نفسِ نغوبہ میں غالب کی اہلیہ کے بھائی مرزا فرید العابدین عارف کی موت پر غالب کا اردو ناک نوحہ:

ہاں اسے فلک بیز، جو اس تھا اچھی عارف

کیا تیرا ٹیکوتا جو نہ مرنا کوئی دن نور

بھی شامل ہے۔ (صفحہ ۳۳) عارف نے اپریل ۱۸۵۲ء میں بین جوانی میں وفات پائی۔ نفسِ نغوبہ میں غالب کی معروف غزل ”سب کہیں کہیں کہ لاہ و گل میں نمایاں ہو گئیں“ بھی موجود ہے۔ (صفحہ ۵۲-۵۳) یہ غزل دہلی اردو اخبار، جلد ۱۳، نمبر ۳۲، مؤرخہ ۲۱/شوال ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸/اگست ۱۸۵۲ء میں اس تنبیہ کے ساتھ شائع ہوئی تھی:

”اس ہفتے میں جو مشاعرہ جناب مرزا نور الدین۔ شای، خیرہ جناب مرزا سلیمان

فکوح بہادر مرحوم نے کیا جو کہ کھنٹو سے تشریف لائے ہیں۔ غزلہائے شاعران کثیر چھپی

گئیں۔ ایک غزل جناب مرزا۔۔۔ غالب کی راقم اخبار کے پاس پہنچی، سو درج اخبار

ہوئی۔۔۔“ (دعایہ غالب، عربی، طبع دوم ۱۹۸۲ء، صفحہ ۲۳۸، متن)

اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا کوئی شعر، نفسِ نغوبہ میں شامل نہیں، اس لیے احتیاط اور احتیاح کے ساتھ یہ بات

کہی جاسکتی ہے کہ زیرِ نظر نسخہ ۱۸۵۲ء کے نصفِ اول تک کے کام پر مبنی ہے اور اس لیے غالب کے اردو کلام کی

توثیق میں یہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

نیوڈنٹش کے ”خاتمے“ کی یہ عبارت تعدادِ اشعار کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے:

”ہنگی اشعار شعری شعار غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی جزار و پانصد و پانچہ و اربعہ اتم۔۔۔“

[صفحہ ۱۲۷]

اسلامی متن کے اشعار کی تعداد ۱۵۲۸ بنتی ہے۔

۲

”نفسِ نغوبہ“ جو اپنے وقت میں بڑے مثالی اہتمام اور کاوش کے ساتھ تیار ہوا ہے، اغلب ہے کہ نواب

ضیاء الدین احمد خان نیوڈنٹش یا کسی خبردار کے ذخیرے کا گہر گم گشت ہو۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کے نزدیک یہ وہ

گم شدہ نسخہ دیوان ہو سکتا ہے جو غالب نے جانی ہائے لال رند، وکیل بھرت پور کی معرفت مہاراجہ سے پور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے خاص اہتمام سے تیار کرایا تھا۔

یہ بات جی کو لگتی ہے۔ یہ امر بہر حال یقینی ہے کہ دیوان غالب کا یہ تاؤ نسخہ ۱۸۵۷ء کی لوٹ مار اور غارت گری کی باقیات میں سے ہے۔ غالب نے اپنے قیمتی نسخوں کی گم نشینی کا ذکر خطوں میں اکثر بڑے حزن اور حسرت کے ساتھ کیا ہے۔

”حضرت! اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر نقد میں لٹ گیا۔“

[تمام: نواب کلب علی خاں، ۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء]

”نقد میں میرا گھر نہیں لانا گھر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ تھا، نواب ضیاء الدین خاں بہادر۔۔۔ ہندی اور فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے، سو۔۔۔ ان کے گھر جھاڑو پھر گئی، نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا، پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟“

[تمام: یوسف علی خاں مزین، نومبر ۱۸۵۹ء]

”میرا ایک سخی بھائی ہے، نواب ضیاء الدین احمد خاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ سب نسخے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتاب خانہ، ڈار کر عرض کرتا ہوں، میں ہزار روپے مالیت کا ہو گا، لٹ گیا، ایک ورق نہیں رہا۔“

[تمام: صاحب عالم، جولائی ۱۸۶۱ء]

”میرا کلام: کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا احترام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کر لیا کرتے تھے، سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے، جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے۔ اس میں (میرے) دو مجموعہ ہائے پریش بھی خدات ہوئے۔“

[تمام: چوہدری عبدالغفور سرور، جولائی ۱۸۵۹ء]

”میرا کلام: کیا نظم، کیا نثر، کیا فارسی، کیا اردو، کبھی میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کی فکر تھی، وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کرتے تھے، سو ان دوستوں کا زمانہ

نذر میں گمراہی لٹ گیا۔ نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا، پھر میں اپنا کام نظم و نثر کہاں سے لاؤں؟“ [بنام: جتنا مرزا پوری، ۱۳ جولائی ۱۸۶۷ء]

”کیا کہوں تم سے، ضیاء الدین خاں جاگیردار لوہارو میرے سہیلی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا، وہ انہوں نے لے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ ”کلیات نظم قاری“ چون چکیں جز اور ”نثر آجک“ اور ”میر خیرود“ اور ”دیوان ریختہ“ سب ملا کر نو سو نو جز، مطا اور مذہب اور انگریزی امیری کی جلد میں الگ الگ، کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع کہ کام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شہزادے نے اس مجموعہ نظم و نثر کی نقل لی۔ اب دو جگہ میرا کام اکٹھا ہوا۔ کہاں یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے، وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ، خزانہ یلغا ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدھی دوڑائے کہیں سے ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تجربے سے یہ ہے کہ اگر کہیں ان میں سے کوئی (قلمی) نسخہ بچا ہوا آوے تو اس کو میرے واسطے خرید کر لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگوا لوں گا۔“ [بنام: شہزاد نائن آرام، ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء]

”بھائی ضیاء الدین خاں کا مجموعہ نظم و نثر، قاری اور اردو، سراسر دیکھا ہوا میرا، جو ان کے کتاب خانے میں تھا، نذر میں لٹ گیا۔“ [بنام: نواب کلب علی خاں، ۱۰ ستمبر ۱۸۶۶ء]

زیر نظر نادر ”نسخہ نواب“ کی ایک بڑی وجہ امتیاز یہ ہے کہ کتابت کے بعد یہ نسخہ، غالب کے پاس اور ان کے پیش نظر رہا ہے اور اسے انہوں نے شروع سے آخر تک دیکھ کر، جہاں جہاں، اپنے قلم سے تصحیح یا اضافہ کیا ہے۔ غالب کی خود نوشتہ تحریروں کے مطالعے اور مشاہدے کے لیے، دوسرے مآخذ کے متحمل، میرے سامنے ”مرقع غالب“ رہا ہے جس کے آخری ایک سو صفحات غالب کی اپنی قلمی تحریروں کے ٹکس پر مبنی ہیں۔ ”نسخہ نواب“ میں غالب کے اپنے قلم سے جو ترمیم یا متنبخ ہوئی ہے، اس کا مشاہدہ، بہ تفصیل ذیل کیا جاسکتا ہے۔ پہلا عدد، دیوان کے صفحہ کی،

۱۔ ”مرقع غالب“ مرزا، پرتوی نذر کے خلاف کے لیے دیکھے مقدمہ جاگیر غالب، ڈاکٹر سید نعیم الرحمن، مکتبہ کارواں،

دوسرا، اس صفے پر شعر کے نمبر شمار کی، اور تیسرا عدد، مصرع کے نمبر کی نشاندہی کرتا ہے۔

۲۰۲۲ "دل پہ دل گویا بھروسہ۔"

آخ اور ق کے حروف تہجی غالب ہیں۔ "خ" مختلف ہے، "موخر" کا اور "م" جو "مقدم" کا نشان ہے۔

۲۰۲۳ "غیر (از) لگا... "از" تہجی غالب

۲۰۲۴ "ہاز (تھا).... "تھا" تہجی غالب

اس مصرعے میں "گر" تہجی غالب درج ہوا ہے۔

۲۰۲۵ "گرمی بزم (ہے)۔" یہاں لفظ "ہے" غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

۲۰۲۶ "خند ہائے گل" میں "ہ" غالب کے اپنے قلم کا اضافہ ہے۔

۲۰۲۷ اس مصرعے میں لفظ "عشق" غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

۲۰۲۸ اس مصرعے میں لفظ "ہے" غالب کے قلم کا اضافہ ہے۔

۲۰۲۹ "آتا ہے" یہاں "ہے" کو پھیل کر، غالب نے اپنے قلم سے "ہو" بنا دیا ہے۔

۲۰۳۰ اس مصرعے میں غالب نے "اورنہ" کو کھرچ کر (اگرچہ کھرچنے کے باوجود یہ بڑھا جا رہا ہے)

دوبارہ "آج" کے بعد لکھا ہے، پہلے "ورنہ" پر آج اور "آج" پر تم کی ملامت بھی بٹائی ہے، جو "موخر"

اور "مقدم" کے تقاضات ہیں۔

۲۰۳۱ اس مصرعے کی تصحیح خود غالب نے اپنے قلم سے کی، پہلے کتابت شدہ عبارت کو کھرچا بھی گیا ہے۔

"کو" اور "بھی" کے علاوہ غالب کے قلم سے ہیں۔

۲۰۳۲ "یہ پردا ہے" (قصص کتابت)، درست، یہ پردہ ہے۔

۲۰۳۳ "کوئین (کی)...." کی تہجی غالب۔

۲۰۳۴ "وہاں" کا لفظ غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

۲۰۳۵ "خست (کے)۔" کے کا اضافہ تہجی غالب۔

۲۰۳۶ "ضمیمہ ملک" لکھا گیا تھا۔ "ملک" کو کھرچ کر غالب نے "ملت" بنا دیا ہے۔

شعری متن کے علاوہ اپنے فارسی دیباچے میں بھی غالب کو تصحیح کی غرض سے قلم لگانا پڑا ہے۔ پہلے صفے میں

"خیرزد" میں "ن" کا جھڑجھڑ کے قلم سے ہے۔ اسی طرح دوسرے صفے کی حیر حویں سطر میں لفظ "آن" میں الف پر

د (ن) کا نشان، غالب کے قلم کا معلوم ہوتا ہے۔

- ۳۳ : ۳ : ۱ "ستم کفن" (سہو کتابت)، درست: ستم کفن۔
- ۳۴ : ۴ : ۲ "بیپ و کفن" (سہو کتابت)، درست: بیپ کفن۔ دیوان، طبع ازل (۱۸۳۱ء) اور طبع چہارم (۱۸۶۲ء) میں "بیپ کفن"۔ عرفی صاحب کے بقول تیسرے مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۶۲ء) میں "واؤ" چھپا تھا، مگر غالب نے سخت ناسے میں اس کی گھج کر دی ہے۔ [عرفی، طبع دوم، دہلی ۱۹۵۶ء، صفحہ ۴۴]
- ۳۴ : ۸ : ۲ " (ہے) تھیب و فراز"۔ اس مصرعے میں "ہے" سہو کتابت سے رو گیا ہے۔
- ۳۸ : ۸ : ۱ " (ہے) ہو (خو) مرگ، طالع، "یہاں" "خو" کتابت ہونے سے رو گیا ہے۔
- ۳۸ : ۱۰ : ۱ "ضررت" کے اوپر "کا" زاید (سہو کتابت) ہے۔
- ۳۸ : ۱۰ : ۲ "لک" (سہو کتابت)، درست: نہ لگ۔
- ۳۸ : ۱۲ : ۱ مصرعے کے آخر میں "کا" کا نشان زاید ہے۔
- ۳۹ : ۱ : ۲ "خوامین" (سہو کتابت)، درست: خومیں۔
- ۴۱ : ۳ : ۲ "کڑوا" (سہو کتابت)، درست: ڈوڑے۔
- ۴۳ : ۳ : ۱ "ٹھکوا" (سہو کتابت)، درست: ٹھکوا۔
- ۴۳ : ۱۲ : ۲ "بھمبو" (قصص کتابت)، درست: بھمبو۔
- ۴۳ : ۱۳ : ۲ "آ ذر" "زال" سے لکھا گیا ہے، یہ املی غلطی غالب کے مطابق نہیں۔
- ۴۶ : ۷ : ۱ "آئے" پر اعتراض اور اس کا شوش سہو کتابت ہے۔
- ۴۶ : ۱۲ : ۱ "بکھے" (مزدک املا)، درست: جھے۔
- ۴۷ : ۱۱ : ۱ "کپک" (سہو کتابت)، درست: اک۔
- ۴۷ : ۱۲ : ۲ "پوچھا" (سہو کتابت)، درست: پوچھا۔
- ۵۷ : ۵ : ۱ "ٹھنڈ" بجائے ٹھنڈی۔
- ۶۳ : ۷ : ۱ "ہستی (کا) اعتبار"۔ "یہاں لفظ "کا" سہو کتابت سے رو گیا ہے۔
- ۶۳ : ۷ : ۱ "سرکشگی سے عالم ہستی میں"۔ " (سہو کتابت)، درست: سرکشگی میں عالم ہستی سے "۔
- ۶۶ : ۷ : ۱ "رحم کر کا لم (ک) کیا"۔ "یہاں" "کر" سہو کتابت سے رو گیا ہے۔
- ۷۰ : ۵ : ۲ "اس" (سہو کتابت)، درست: ان۔

۸۲ : ۵ : ۱ "چھاڑی" (سہو کتابت)، درست: چھاڑی

۸۲ : ۱۱ : ۱ "ذرا" کو غالب کے خطائے املا کے مطابق "زے" سے لکھنا چاہیے تھا۔

۸۸ : ۱۱ : ۱ "یار" (سہو کتابت)، درست: ناز۔

۸۹ : ۳ : ۲ یہاں "ذرا" میں خطائے غالب کے مطابق "زال" کی جگہ "زے" چاہیے تھی۔

۹۱ : ۹ : ۱ "حق" میں "سی" کے دو نقطے کتابت ہونے سے رو گئے ہیں۔

۹۳ : ۳ : ۲ "ذرا" کا املا، خطائے غالب کے برعکس "زال" سے کیا گیا ہے۔

۹۷ : ۳ : ۲ "کے کوئی" (سہو کتابت)، درست: کرے کوئی۔

۹۸ : ۱۰ : ۱ "عاجز" (نقص کتابت)، درست: عاجز۔

۱۰۳ : ۸ : ۱ "چرخ امیر" (سہو کتابت)، درست: سرخ امیر۔

۱۰۶ : ۳ : ۱ "جمن یک" (سہو کتابت)، درست: جمن ویک۔

۱۰۶ : ۱۳ : ۲ "جام میں" (سہو کتابت)، درست: جام سے۔

۱۱۳ : ۳ : ۱ "آب و دان" (سہو کتابت)، درست: آب و بار۔

۱۱۵ : ۹ : ۲ "خط چھاتی" (سہو کتابت)، درست: خط میری چھاتی۔

۱۱۶ : ۳ : ۲ "آپ" (سہو کتابت)، درست: اب

۱۱۶ : ۳ : ۱ "شاہ آگے" (سہو کتابت)، درست: شاہ کے آگے۔

کاتب نے شروع کے اوراق میں، خوشنمائی کے لیے کاف فارسی (= گ) کی ایک کشش کو چھاض چھوڑ دیا ہے اور پھر اسے سرخ روشنائی سے لگا دیا ہے۔ یہ اجتمام صرف ابتدائی پانچ صفحات تک ہی دکھائی دیتا ہے۔ پورے طور پر اس کی پابندی ان پانچ صفحات تک بھی نہیں ہو پائی، مثلاً: صفحہ ۳ پر الفاظ: "آکھی، جگر، مکر، بھگی، آشغلی" میں "گ" کی ایک کشش سرخ روشنائی سے لگائی رہ گئی ہے۔ اسی صفحے میں "رفت گیا" میں "کاف" کے دونوں مرکز سیاہ روشنائی سے لگے ہوئے ہیں۔

صفحہ ۳ پر ایک جگہ "گم" میں "گ" کے دونوں مرکز سیاہ روشنائی سے ہیں، دوسری جگہ "گم" لکھا رہ گیا ہے۔ "گ" کا دوسرا مرکز سرخ روشنائی سے لگتا رہ گیا ہے۔ جب کہ اسی صفحے پر پندرہ جگہ "گ" پر ایک کشش سرخ روشنائی سے لگائی گئی ہے۔ بعد کے اوراق میں صرف صفحہ ۵۹ اور ۸۲ پر "مگر" کا دوسرا مرکز سرخ روشنائی سے

ہے۔ پورے نسخے میں متعدد مقامات پر کاتب کی دو دلی (یا دو مٹھی سے) ”مگ“ کی ایک کشش، کتابت سے رو مٹی ہے۔ صفحہ ۱۹ پر ”لو کہیں“ میں مٹھی ”ڈ“ سرخ روشنائی سے ہے۔ ”خلص ہر جگہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ اور محفوظے کے کچھ آخری صفحات (۱۰۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶) میں، الفاظ پر پیش (‘) کا نشان سرخ قلم سے ہے۔

کتابت کی ایک دو خصوصیات اور لمبائیاں ہیں ”ٹ“ کے لیے ہر جگہ ”بیل“ کے نیچے دو نقطے رکھے ہیں اور ”اک“ ”کو“ ”ک“ (بدون نقاط) لکھا گیا ہے۔ پورے نسخے میں ہر صفحے پر ”ترک“ کا احترام ہوا ہے۔ صفحہ ۹ اور ۱۱، اس احترام سے مستثنیٰ ہیں، جہاں ”ترک“ کا اندراج رو گیا ہے۔ محفوظے کے لورائق پر، کرم خوردگی اور کھٹکی کے نشان اور اثرات پائے جاتے ہیں، یاں ہر یہ نسخہ ہر طرح مکمل اور محفوظ ہے اور اسے بڑی احتیاط اور آسانی کے ساتھ ”دیوان غالب“ کے ان چند اہم محفوظوں میں شمار کیا جاسکتا ہے، جو شاہانہ دھار اور صرف بے شمار سے غالب کی زندگی میں تیار ہوئے اور جو آج دستبرد زمانہ سے محفوظ بھی ہیں۔

۵

”نسخہ لاہور“ کے تحت مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے دیوان غالب (نسخہ عرشی) طبع دوم (۱۹۸۲ء، دلی) مقدمے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بعض غیر اہم جزوی امتزاقات کے ساتھ، اپنے شمولات اور کوائف کی تفصیل کے اعتبار سے بڑی حد تک زیر نظر نسخہ کلوید کے مطابق ہے۔ عرشی صاحب بتاتے ہیں کہ

”اس کی تقطیع ۱۰ x ۹ x ۶ انچ ہے۔ کل مکتوبہ ورق ۶۳ ہیں۔ مسطر ۱۵ سطر کا ہے۔

کاغذ دہلی یا دہلی ہے۔ عام حالت بہت اچھی ہے۔ ورق ۹ ب پر سنہری، سفید، آبی، نیلی، سرخ اور زرد رنگ کی لوح کے نیچے قادی دیا چہ شروع ہوا ہے۔ اس صفحے اور اگلے صفحے کے حاشیوں میں ہار یک اور ہار یک قلم سے مطلقا و ملون تلی بنائی گئی ہے۔ نیز ان دونوں صفحوں کا بین السطور مذہب ہے۔ پوری کتاب میں چھ رنگ کی جدول ہے۔ ہر دو نقشوں کے درمیان ایک سطر کے بعد جگہ چھوڑی گئی ہے، اور اسے رنگین تلی سے بھرا گیا ہے۔ جہاں کہیں آخری شعر کو دو سطروں لکھا ہے، وہاں دونوں جانب کی جگہوں کو خوبصورت تلی جھلوں سے بھر دیا ہے۔

کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں، تاہم خط بتاتا ہے کہ نواب فخر الدین محمد خاں بہادر کا لکھا ہوا ہے جو میرزا صاحب کے مشہور اور پسندیدہ کاتب تھے۔ روش خط، اصول

فن پر پوری نہیں اترتی، لیکن غلط کی یکسانی اور پختگی نے بے حد وسیع زنجی پیدا کر دی ہے۔ پوری کتاب میں لفظ ”اک“ کو ”اک“ بدولت لکھا ہے۔ ”ت“ میں مضمی ”یا“ کے نیچے دو نقطے بھی لگاتے ہیں۔ ”نہ“ اور ”جگہ“ کو ”مہہ“ اور ”مہگہ“ بھی لکھتے ہیں۔ شعر میں ہند سے کو لفظوں میں لکھا جاتا ہے، انہوں نے ایسی جگہوں میں لفظ کے اوپر ہند کی شکل بھی بنائی ہے۔ مجھ سا، تجھ سا اور مجھ کو، تجھ کو وغیرہ کو بدولت ہائے مخلوط اور ”منہ“ کو عموماً ”مہہ“ سمجھی ”مونہہ“ بھی لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب کی ہدایت کے مطابق عموماً اردو اور فارسی الفاظ میں ”و“ کی جگہ ”و“ لکھتے ہیں اور ”غرضید“ میں واؤ نہیں لکھتے۔ خوشنمائی اور دفع التباس دونوں کے لیے لفظوں پر اعراب بھی لگاتے ہیں۔

اس نسخے کے مستملات کی ترتیب سابق نسخوں جیسی ہے، چنانچہ ورق ۲ ب کی چوٹی سطر سے دوسری لوح کے نیچے غزلیں شروع ہوتی ہیں۔ ورق ۵۳ ب سے قصیدے ورق ۵۸ الف سے قبلے اور ورق ۶۰ الف سے زبائیں شروع ہوئی ہیں۔ آخر میں ابنان ”خاتمہ“ نیر کی تقریظ ہے جو ورق ۶۲ ب سے شروع ہو کر ورق ۶۳ ب پر ختم ہوئی ہے۔ اس تقریظ میں نسیم (دعوانی غالب، طبع ازل) کی طرح سالِ ترمیم و بیان ۱۲۵۳ھ (مارچ ۱۸۳۸ء تا مارچ ۱۸۳۹ء) مندرج ہے لیکن اس میں میرزا صاحب کی مشہور غزل: ”سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں“ بھی شامل ہے جو دہلی اردو اخبار مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء میں اس تصریح کے ساتھ شائع ہوئی تھی کہ اس ہفتے کے مشاعرے کا حکام ہے۔ اور ۱۸۵۳ء کی کئی ہوئی کوئی غزل وغیرہ موجود نہیں، اس لیے یہ قیاس کرنا ہے جائز ہو گا کہ یہ نسخہ ۱۸۵۲ء کے نصف آخر میں مرتب کیا گیا تھا اور تقریظ کی تاریخ ازراہ سہو تبدیل نہیں کی گئی ہے۔

تقریظ میں اشعار کی تعداد ”ہزار و پانصد و پنچہ دانہ“ (۱۵۵۰ سے کچھ اوپر) بتائی

۱۔ زیر نظر نسخہ کوفہ میں اس سے اطراف بھی ملتا ہے، مثلاً

(۱) صفحہ ۱۹، شعر ۹، مصرعہ ثانی (۱، ۱) صفحہ ۳۱، شعر ۶، مصرعہ اولیٰ

۲۔ نسخہ کوفہ میں یہ اہتمام ایک آدھ جگہ ہی دکھائی دیتا ہے، (مثلاً ص ۱۱۳، شعر ۶)

۳۔ نسخہ کوفہ میں اس کے برعکس ”غرضید“ میں ۱۰۱۰ لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۴۰، شعر ۶، دوسرا مصرعہ

ہے۔ میں نے شمار کیا تو ۱۵۴۷ شعر نکلیے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اشعار کے گننے میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی تھی۔ اشعار کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات:

الف	۲۸۴	د	۶۹	ک	۱۵	و	۳
ب	۱۲	ز	۲۰	گ	۲	ی	۵۸۰
ت	۱۹	س	۷	ل	۹		
ج	۳	ھ	۲	م	۸	<u>قصائد:</u> ۱۶۲	
چ	۶	ع	۸	ن	۲۰۹	<u>قصائد:</u> ۵۰	
د	۹	ف	۲	و	۴۲	<u>رباعیات:</u> ۲۳	
<hr/>							
۹۱۵۴۷ =							

اندرونی شہادت ثابت کرتی ہے کہ اسے اقل سے آخر تک ہرزا صاحب نے پڑھا ہے اور اکثر جگہ اشعار کا تب کی اصلاح بھی کی ہے۔ چنانچہ متعدد ذیل مقامات پر ان کے قلم کی واضح اصلاحیں موجود ہیں:

- ۱ ورق ۱۰ اب : جس دل پہ ناز (خدا) مجھے وہ دل نہیں رہا
- ۲ ورق ۲۰ الف : گر کی بزم (ہے) ایک دقیں شرر ہوتے تک
- ۳ ورق ۲۱ ب : رونق بستی ہے (عشق) خانہ ویراں ساز سے
- ۴ ورق ۲۳ الف : آپ بے بہرہ (ہے) جو معشوق میر نہیں
- ۵ ورق ۲۵ ب : ظلم کر عظم، اگر کلف درخی آتا (ہو)
- ۶ ورق ۳۷ الف : ساقی گری کی شرم کرو آج (دور) ہم

۱۔ عرفی صاحب سے اشعار کے شمار میں ایک کا سہوا ہے۔ انہوں نے غزلیات کے دو ایف وار اشعار کی تعداد اور دیگر اصناف کے الگ الگ اشعار کا جو گوشوارہ دیا ہے اس کی مجموعی تعداد انہوں نے ۱۵۴۷ بتائی ہے۔ حالانکہ یہ ۱۵۴۸ بنتی ہے۔ نسخہ کاتب میں بھی کل اشعار ۱۵۴۸ ہیں۔ نسخہ کاتب میں دو ایف وار غزلیات اور دیگر اصناف کے اشعار کی الگ الگ تعداد بیستم بتی ہے۔ صحیح نسخہ ۱۵۴۸ بنتا ہے۔

۷ ورق ۳۶ الف : ہم رشک کو اپنے (بھی) گوارا نہیں کرتے

ان میں سے ۲۰، ۳، ۴ اور ۷ میں جو لفظ بریکٹوں میں لکھے ہوئے ہیں، وہ اصل میں خود میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بنائے ہیں۔ نمبر ۵ میں کاتب نے ”ہو“ کی جگہ ”ہے“ لکھ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے اوّل کو چھیل کر دوسرا لفظ بنایا ہے۔ نمبر ۶ میں کاتب نے ”ورنہ“ آج“ لکھ کر ”ورنہ“ کے اوپر ”خ“ (جو مؤخر کا نشان ہے) اور ”آج“ کے اوپر ”م“ (جو مقدم کا نشان ہے) بنا دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہاں ”ورنہ“ کو بنا کر ”آج“ کے بعد مذکورہ لفظ اپنے قلم سے لکھ دیا ہے۔

تادم، بہت سی خطی غلطیاں اب بھی موجود ہیں، مثلاً:

- ۱۔ ”کیا رہوں غربت میں خوش، ہو جب حوادث کا خیال“ (۳ ب)
حالا کہ گنج الفاظ ”حوادث کا یہ حال“ ہیں۔
 - ۲۔ ”جلوہ از ہیک۔ مژگاں ہوگا“ (۵ ب) جب کہ گنج ردیف ”ہونا“ ہے۔
 - ۳۔ ورق ۷ ب پر ”سوئی“، ۱۰ الف پر ”خوشید“، ۱۳ الف پر ”دھواں“ اور ۱۸ الف پر ”تقدیر“ ملتا ہے جو میرزا صاحب کے املا کے خلاف ہے۔
 - ۴۔ ”نہ سنوگر بُرا کہے کوئی نہ کہوگر بُرا کہے کوئی“ (۴۸ ب) حالا کہ گنج ردیف ”کرے کوئی“ ہے۔
 - ۵۔ رہ گیا خط (میری) چھاتی پر کھلا“ (۵ ب) اس میں بریکٹ کے اندر کا لفظ کاتب اور صحیح دونوں سے چھوٹ گیا ہے۔
 - ۶۔ شاہ (کے) آگے دھرا ہے آئینہ (۵۸ الف) یہاں بھی بریکٹ کا لفظ رہ گیا ہے۔
- [مقدمہ دیوان غالب، اردو نسخہ کشی، طبع، دوم، دہلی ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۷]

- ۱۔ یہ سب صورتیں نسخہ نگاروں میں بھی میں دہن موجود ہیں۔
- ۲۔ ایک استثنیٰ کے علاوہ یہ سب خطی غلطیاں نسخہ نگاروں میں بھی موجود ہیں۔
- ۳۔ نسخہ نگاروں میں یہ خطی نہیں ہے، صوفی اپر ”مژگاں ہونا“ گنج حید ہوا ہے۔
- ۴۔ غالب نے اپنے قلم سے ہمیشہ ”سوئی“ لکھا ہے۔ یہ غالب کے املا کے خلاف نہیں ہیں مطابق ہے۔
- ۵۔ ”تقدیر“ کا گنج املا ”تقویر“ ہے۔ یہاں ذال اور زے کا مسئلہ نہیں۔

”یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔“ [نسخہ ’عرشی، ایضاً صحت نامہ، ص ۵۷۷]
 نسخہ ’رامپور جدیدہ (۱۸۵۵ء) کا تحارف کراتے ہوئے عرشی صاحب نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ
 ”اس کا خط بھی نسخہ لاہور کی طرح عمدہ نستعلیق ہے۔ کاتب کا نام اور سال کتابت
 یہاں بھی درج نہیں، لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اس کے کاتب بھی خواجہ فخر الدین محمد خاں
 بہادر ہی ہیں۔“
 مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا کہنا یہ ہے کہ:

”نسخہ ’رامپور جدیدہ جس کاتب کا لکھا ہوا ہے، میرزا صاحب کے فارسی اور اردو
 مصنفات کے مولیٰ کاتب وہی صاحب ہیں۔ چنانچہ رضا لائبریری (رامپور) میں ان کے ہاتھ
 کے لکھے ہوئے تین فارسی دیوان موجود ہیں۔ انہوں نے دیوان اردو کی بھی ایک سے زائد نقلیں
 مختلف زمانوں میں تیار کی تھیں۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک نسخہ خواجہ محمد شفیع دہلوی کے پاس میں
 نے خود دیکھا تھا۔ ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں محفوظ ہے، جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں
 ہو چکا ہے۔ اگر یہ وہی خواجہ صاحب کا نسخہ نہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اس کاتب کے قلم
 کے تین دیوان اردو (بھی) دیکھ چکا ہوں۔“
 [نسخہ ’عرشی، ایضاً، صفحہ ۱۲۰]

جسے عرشی صاحب ”نسخہ لاہور“ کہہ رہے ہیں، اس کی فوٹو نقل عرشی صاحب کو قاضی عبدالودود نے فراہم
 کی۔ (دیباچہ، دیوان غالب اردو، نسخہ ’عرشی، طبع ازل، علی گڑھ ۱۹۵۸ء، صفحہ ۱۲۰) یہ نسخہ خود عرشی صاحب کا دیکھا ہوا
 نہیں، ان کا بیان قاضی عبدالودود کی فراہم کردہ اطلاع اور مواد پر مبنی ہے۔

(۶)

قاضی عبدالودود نے ”مختصر قات“ کے تحت رسالہ ”نقوش“ (لاہور) شمارہ ۶۹-۷۰، اکتوبر ۱۹۵۸ء، (صفحہ
 ۲۰۹-۲۱۰) میں مخطوطہ ’دیوان غالب‘ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ:

”کتب خانہ ’دانش گاہ پنجاب‘ میں دیوان غالب کا ایک خطی نسخہ (- پتہ) ہے، جو
 (بشمول صفحہ ازل سادہ و دیباچہ) غالب و تقریظ (تقریباً ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے)۔ دیباچہ (صفحہ ۲

۱۔ نسخہ کلامہ ازل تا آخر ہر طرح مکمل ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ (م۔ س۔ ر)

تا صلیح ۴) وہی ہے جو لفظ کمرچہ مالک رام (- تم) میں ہے۔ مگر تب میں تارخ تحریر درج نہیں۔
تب میں (صلیح ۴ تا صلیح ۱۶) فزولوں کا آغاز و انجام تم (صلیح ۳۱ تا صلیح ۲۸۰) کی طرح ہے اور
فزولوں اور ان کے اشعار کی مجموعی تعداد علی الترتیب ۲۲۶، اور ۱۳۱۲ ہے۔ تم میں یہ تعداد علی
الترتیب ۲۳۳ اور ۱۳۶۰ ہے۔ فزول ہائے ذیل، تب سے غیر حاضر ہیں:

دور خود..... سامان ہوا	دور..... ذوات ہوا
کیوں..... جان عزیز	نہیں..... اعتقاد نہیں
دل..... آئے کیوں	بھولا..... کشت کو
قصص..... شیون کو	مٹی..... گفتگو کیوں کر ہو
کسی..... فضا کیوں ہو	غیر..... جام کے
ہم..... بہار آئی	کتنے..... خانے نہ بنے
دیا..... بشر ہے کیا کیسے	باز بچہ..... دنیا مرے آگے
کہوں..... مدعا کیسے	بہت..... کم کیا ہے
روئی..... شہر پار کی	ہزاروں..... کم لگے

مشترک فزولوں کے دو شعر تب میں نہیں ہیں:

سبز..... آفتی نہ ہوا یاں سر پر شور خواب تھا

تب میں ایک شعر ایسا بھی ہے جو تم میں نہیں ملا، مگر یہ نسخہ شیرانی میں ہے:

ہو کر شبید عشق میں پائے ہزار جسم

ہو سوچ کر راہ مرے سر کو دوش ہے

۱۔ نسخہ کمالہ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے قطعی نسخے کے برعکس فزولیات صلیح ۴ کے بجائے صلیح ۳ سے شروع ہوتی ہیں اور صلیح ۱۶۶ کے بجائے صلیح ۱۰۵ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

ج۔ ایک شعر ہے جو بھی فزول قرار دیا گیا ہے۔ (ق۔ ر۔ ۱)

ح۔ ایک مصرعے کے چھ لفظ جن سے دو لفظ واقفے کا علم ہو سکے۔ (ق۔ ر۔ ۱)

اس مصرعے کا اندراج بدیں الفاظ ہونا چاہیے تھا ”اور نور“ یا کوئی بیجا نہ ہو۔ (م۔ ر۔ ۱)

قصائد چار ہیں (۱۰۶ تا صفحہ ۱۱) اور یہ وہی ہیں جو ہم میں موجود ہیں (صفحہ ۲۳۳ تا ۲۵۹) مانیہ و لونبہ قصیدوں کے عنوان کے لیے دیباچہ ہم صفحہ ۱۸ ملاحظہ ہو۔ قصیدہ ہیمے کا عنوان یہ ہے ”در مدح شہنشاہ جم جاہ سلیمان بارگاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی۔“ چوتھے قصیدے میں ”ایضاً“ بطور عنوان مرقوم ہے۔ اشعار کی مجموعی تعداد ۱۶۲ ہے۔

قطعات (صفحہ ۱۱ تا ۱۲۱): ۱۔ مجھے وہ دن کہ تاریخ (عنوان دیباچہ ہم صفحہ ۲۹ میں دیکھا جائے)

۲۔ کلکتہ کا جو ذکر تاریخ (عنوان دیباچہ مذکور، صفحہ ۱۶)

۳۔ بچنی ڈلی والا قطعہ (عنوان دیباچہ، صفحہ ۱۶)

۴۔ تیشی روٹی والا قطعہ

۵۔ اے شہنشاہ فلک تاریخ

۶۔ منظور ہے تاریخ اشعار کی مجموعی تعداد ۵۰۔

رباعیات (صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۳) ۱۲ ہیں جو ہم (صفحہ ۲۷ تا ۲۷۹) میں ہیں۔ ہم کی آخری

۳ رباعیاں ہم میں نہیں۔ ہم کے کل اشعار ۱۵۳۸ ہیں مگر تقریباً میں ”ہزار و پانصد و پچہ و ائیس“ ہے۔ تقریباً تیر کی لکھی ہوئی ہے۔ (صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۸) اس کا عنوان یہ ہے:

مدین ہند و سمری از حیرت لب سواد اوراق بفر فروغ شمسی عبارت تقریب کہ عیدائی
آں اثرے است آزاد خرام ذل زبا بردار بہ دل نزدیک بہ جان برابر، عالی دودمان والا گوہر
نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔“

کاتب اپنا نام اور زمانہ کتابت بتانے سے قاصر رہا ہے، مگر کتب لکھا گیا، اس کا ایک حد تک تعین آخری قطعے کے زمانہ تصنیف پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔“

[انقوش، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء، صفحہ ۲۰۹-۲۱۰]

۱۔ نسخہ کتبہ قصائد صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۶ ج نسخہ کتبہ قطعات صفحہ ۵۶ تا ۱۲۰

۲۔ نسخہ کتبہ رباعیات صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۳ ج نسخہ کتبہ صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۷

۳۔ نسخہ کتبہ میں تقریباً تقریباً کا عنوان ”خاتمہ“ قائم کیا گیا ہے، اور یہ کلیہ علی درج ہوا ہے۔

۴۔ نسخہ کتبہ میں ”خرام خندہ دل رہا“ بجائے خرام دل رہا۔

مولانا امتیاز علی عریشی کے بقول ”یہ قطعہ سب سے پہلے مولوی محمد باقر کے دہلی اردو اخبار جلد ۱۴، نمبر ۱۳ مورخہ ۶/ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء میں، شائع ہوا تھا۔“

قاضی عبدالودود نے ”مخلوط“ دیوان غالب“ (کتب خانہ کوافل گام پنجاب، لاہور) کے بارے میں جو تصدیقات رسالہ ”نفوس“ (لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء) میں پیش کی ہیں، وہ کچھ جزئی اختلافات سے قطع نظر، بڑی حد تک سچ و سچ ہیں۔

قاضی عبدالودود نے اس نسخے سے غالب ۱۹۵۷ء کے ادوار میں استفادہ کیا۔ اس ضمن میں علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے پروفیسر رشید احمد صدیقی کا ایک خط مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۵۷ء، تمام پروفیسر خواجہ منظور حسین میرے پیش نظر ہے۔ رشید صاحب نے لکھا ہے کہ:

”... شعبہ اردو کے اہتمام میں علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر کا انصرام درپیش ہے۔ اس وقت صرف اٹھ اعرض ہے کہ بچے کے قاضی عبدالودود صاحب ہر سطر بعض موضوعات پر پیچیدگی کی تلاش میں لاہور اور کراچی کے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ قاضی صاحب کے اپنی تحقیق کاموں سے آپ واقف ہوں گے۔

میں نے ڈاکٹر سید عبدالقد صاحب کو بھی لکھا ہے کہ وہ قاضی صاحب کی مدد فرمائیں۔ وقار عظیم صاحب اور مولانا غلام رسول میر صاحب کو بھی تکلیف دی ہے۔ امید ہے یہ حضرات بھی تعاون فرمائیں گے۔ اور پینل کالج (لاہور) میں بعض حقیقی مخلوطات و مطبوعات کی نگرانی کی گئی ہے۔ اگر قاضی صاحب کو ممکن ہو تو ہم سب بغایت احسان مند ہوں گے جو کام بھیڑا ہے، کون ہے جس کو اس کی کامیابی مد نظر نہ ہوگی۔“

۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر سید عبدالقد نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور (لاہور) میں موجود دیوان غالب کے ایک ہار قلمی نسخے کا تعارف کرایا (لاہور، کراچی جولائی ۱۹۵۳ء)، ۱۹۶۸ء میں جب میں ”اشاریہ غالب“ (مطبوعہ پنجاب، یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۹ء) کی ترتیب و تالیف میں مصروف تھا، میں نے دیوان غالب کے اس نسخے کو دیکھا، لیکن تلاش کے باوجود نہ پایا، بتایا گیا کہ یہ قلمی نسخہ، صدر اوراق معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی (ڈاکٹر سید

۱۔ دیوان غالب نسخہ عریشی، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، اشاعت ۱۹۸۲ء، متن صفحہ ۱۳۵-۱۳۶

۲۔ رشید احمد صدیقی کا مکتوب اصل خط میرے اپنی ذخیرہ نوادر کا حصہ ہے۔

عبداللہ) کی تحویل میں ہے اور بالفعل دستیاب نہیں۔

(۷)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ”دیوان غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ“ کے عنوان سے رسالہ ماہ نو، کراچی جولائی ۱۹۵۳ء، (صفحہ ۱۵-۱۹) میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور) کے ایک نسخے کا جو تعارف کرایا ہے، وہ ان کی کتاب ”اطراف غالب“ مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء، میں شامل ہے۔ اس عقب میں کہ یہ نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں کہیں ہے جگہ ہو چکا ہے اور دستیاب نہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس نسخے کے جو کوائف دیے ہیں اور جو حاکم نکالے ہیں، انہیں ذیل میں پیش کر دینا ہے محل نہیں ہو گا، ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

”مرزا غالب کی زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں کے متعلق دستاویزی مواد کی بڑی کمی ہے۔ غالب کی زندگی میں بارہ کی آٹھ سواں کچھ اس طرح چلیں کہ بے شمار دوسرے اہل کمال کی طرح ان کی تصانیف کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ ان حالات میں مرزا غالب کے کلام اور زندگی کے متعلق جو فی دستاویز بھی مل جائے، اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مرزا غالب کے دیوان اردو کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کی میرے نزدیک کئی وجوہ سے اہمیت ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے مرزا کے کلام کی زمانی حد بندی (توقیت) کے سلسلے میں خاصی مدد ملنے کی توقع ہے۔ غالب کے تقریباً سبھی سوانح نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ مرزا غالب کے کلام کے کچھ مجموعے ندر میں لٹ گئے تھے۔ مرزا نے اپنی نظم و نثر شاید خود کبھی جمع نہیں کی۔ ”بعض نیاز مندوں اور دوستوں نے ان کے تحریرات جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا جن میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر نکس لوہارو اور ذوالفقار الدین حیدر عرف حسین مرزا خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔“ یہ مولانا مہر کا بیان ہے۔ ان کی تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ۔ ”نثر نے ندر سے قبل غالب کی سب تحریرات اہتمام کے ساتھ جمع کر کے ان کی پُرکلف چلیدیں بندھوائیں تھیں، لیکن یہ مجموعے ندر میں لٹ گئے۔“

۱۔ یہ تعارفی مضمون ڈاکٹر سید عبداللہ کی کتاب ”چھ سترے اور پانے شاعر“ مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۵ء میں بھی شامل ہوا ہے۔ (صفحہ ۵۵-۶۶)

میرا قیاس ہے کہ ہمارا یہ گوہر آبِ دار یعنی پنجاب یونیورسٹی لاہوری (لاہور) کا مذکورہ الصدر نسخہ اسی لئے ہونے خزانے کا دُر ہے بہا ہے۔ دیوان غالب کے موجودہ قلمی نسخے کے کوائف یہ ہیں:

اوراق ۶۳، قطع — سر لوح و قلوب مطا، شکر ف اور لا جورو سے منقش، مغلیہ نقاشی کے اعزاز پر، پہلے دو صفحے مطا، حاشیہ اور بین اسطور مطا قتل ہوئے — ہر نئی غزل سے پہلے قتل ہوئے شکرئی۔ خاتمے پر بھی مربع قتل ہوئے طلاکاری سے۔

سب سے پہلے فارسی دیباچہ ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: مشام شمیم آشنایاں را صلا و نہاد اخمن نصیبان را مژدہ کہ لختے از سامان عمر و گردانی —" یہ دیباچہ مرزا غالب کا لکھا ہوا ہے، چنانچہ ان کا نام عرف اور مخلص سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اس قسم کا دیباچہ ہانگی پور لاہوری کے قلمی نسخوں میں بھی ہے۔ راجپور لاہوری کے قلمی نسخے کے آغاز میں یہ دیباچہ ہے، جس کی تاریخ زینتھ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء ہے۔ ہانگی پور والے نسخے پر تاریخ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۸ء ہے۔ اس (پنجاب یونیورسٹی لاہوری لاہور) میں دیباچہ بلا تاریخ درج ہے۔

اس نسخے کے آخر میں "خاتمہ" کے عنوان سے ایک تقریظ ہے جو نواب محمد ضیاء الدین خاں بہادر کی لکھی ہوئی ہے، اس کا سرنامہ یہ ہے: "دمیدن سپیدہ سحری از حیرت شب سواد اوراق مفرغ مستری عبارت تقریظ کہ پیدائی آں اثرے است آزاد خرام خلعت دل زبا برادر بہ دل نزدیک بہ جان برابر، عالی دو بان والا گوہر نواب محمد ضیاء الدین خاں بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ —" اس تقریظ میں ۱۲۵۳ھ (یک ہزار و دو سو ست و پینچ و چار) موجود ہے۔ اس تقریظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ہنگامی اشعار شعری شمار غزل و قطعہ و رباعی ہزار و پانصد و پینچ و اندہ پایتم —" تقریظ کا آخری جملہ یہ ہے، جس پر نسخہ ختم ہو جاتا ہے:

"ازمن یادگارے و برارے و مگراں تذکارے ہا۔"

میں نے اس نسخے کا صحیح زمانہ متعین کرنے کے لیے شیخ محمد اکرام اور مولانا احتیاز علی مرثی سے بھی خط و کتابت کی۔ اس کے علاوہ ہانگی پور لاہوری اور پنجاب یونیورسٹی لاہوری

(لاہور) کے قلمی نسخوں کے علاوہ مطلوبہ نسخوں کا بھی مطالعہ کیا۔ اس جستجو سے میں نے (یکم) نتائج اخذ کیے ہیں۔

خسوس ہے کہ اس نسخے کی تقریباً میں جو تاریخ درج ہے، ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ مرزا غالب کا اردو دیوان پہلی مرتبہ ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۸ء میں مرتب ہوا — جس کے لیے یہ تقریباً لکھی گئی۔ اس کے بعد چھٹے ایڈیشن مرتب ہوتے رہے، ان کے آخر میں یہ تقریباً شامل ہوتی رہی مگر اصل سند کو باقی رکھا جاتا رہا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دیوان کے متعدد نسخے جن میں (یہ) تقریباً ہے ان میں سند تو یہی ہے مگر تعداد اشعار مختلف دی گئی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ جس نسخے میں یہ تقریباً ہو اور سال بھی یہی درج ہو، ضروری نہیں کہ (وہ) نسخہ اسی سال کا ہو — اس طرح مرزا غالب کا اپنا لکھا ہوا دیوانہ بھی کہیں باقیہ تاریخ ہے کہیں باقیہ تاریخ۔ ہمارا موجودہ نسخہ بغیر تاریخ کے ہے، اس لیے اس نسخے کا زمانہ تدوین غیر متعین ہی رہتا ہے۔

اب اس بحث کو ختم کرنے کے صرف دو طریقے نظر آتے ہیں جن سے فیصلہ شاید آسان ہو جائے گا: اول، تعداد اشعار سے زمانے کا تعین — دوم، غزلیات اور دوسرے اشعار کی داخلی شہادتوں سے کسی نتیجے پر پہنچنا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ غالب کے اشعار کی تعداد میں ہر دور ایام اضافہ ہوتا گیا ہے تعداد اشعار کسی حد تک نسخے کے زمانے کے لیے کلید کا درجہ رکھتی ہے، یعنی کم اشعار والا نسخہ مقدم ہو گا اور زیادہ اشعار والا نسخہ مؤخر ہو گا۔ اس لحاظ سے موجودہ نسخہ، راہپور والے نسخے سے (جو ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء کا ہے اور جس میں ۱۶۹۰ شعر بتائے گئے ہیں) پہلے کا ہونا چاہیے۔

ہمارے موجودہ زیر بحث نسخے میں ۱۵۶۸ اشعار ہیں۔ ان میں سے ۱۳۳۲ اشعار غزل کے ہیں، باقی دوسری اصناف کے — پس یہ تو ظاہر ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۳۸ء (جس میں اشعار کی تعداد ۱۰۷۴ ہے) سے بعد کا اور ۱۸۵۵ء سے پہلے کا ہو گا — مگر ذرا اور کوشش سے ہم

۱۔ یہ سچ نہیں، میرا مشاہدہ یہ ہے کہ غالب کی زندگی میں دیوان غالب کے چوتھے ایڈیشن میں یہ تقریباً نہیں ہے۔
(سید نعیم الرحمن)

شاید صحیح تاریخ کے قریب تر ہو جائیں۔ اس لیے اس مسئلے کو دوسری حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے مرزا غالب کے کلام کی توقیت کرتے وقت ان کے کلام کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور: ۱۸۰۷ء سے ۱۸۴۱ء تک،	(ریخت)
دوسرا دور: ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۷ء تک،	(طہم خانہ کتاب)
تیسرا دور: ۱۸۴۷ء سے ۱۸۴۷ء تک،	(بہارِ نجم)
چوتھا دور: ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء تک،	(نوائے ظفر)
پانچواں دور: ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۹ء تک،	(چراغِ عمری)

یہ تو مسلم ہے کہ ہمارا یہ نسخہ ۱۸۴۷ء سے بعد کا ہے، مگر ۱۸۵۷ء سے کتنے سال پہلے کا ہے، اس کے لیے غزلیات کی جہان میں ضروری معلوم ہوتی ہے، اس کے لیے بہت سی غزلیں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ ایک غزل ۱۸۴۵ء کی ہے اور چند اس کے بعد کی، یعنی ۱۸۵۱ء کی — اس کے بعد کا کلام نظر نہیں آتا۔

۱۸۴۵ء میں نواب اصغر علی نسیم نے ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا اور ذوق، مومن اور غالب کو بھی اس میں دعوت دی تھی، اس کا مطلع یہ ہے:

نوبہ امن ہے بہادر دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم اور کوئی جاں کے لیے^۱

۱۸۴۵ء کی یہ غزل موجودہ نسخے میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا ادوار میں سے دورِ چہارم (۱۸۴۷ء-۱۸۵۷ء، نوائے ظفر) کی بھی بہت سی غزلیات اس میں موجود ہیں — مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ ”ارمغانِ غالب“ (شیخ محمد اکرام، بمبئی، ۱۹۴۳ء) میں درج شدہ ”نوائے ظفر“ کی سب غزلیات اس نسخے میں

۱۔ اطرافِ غالب (طبعِ اول ۱۹۶۸ء، سلی ۲۵۷۹، طبعِ دوم، ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۹) میں یہ شعر اسی طرح درج ہوا ہے — شعر کا درست

تھیں یہ ہے
نوبہ امن ہے بہادر دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آساں کے لیے

نہیں..... ”نوائے ظفر“ کی (دو) غزلیات (جو اس نسخے میں نہیں) اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اس نسخے میں ۱۸۵۷ء تک کا سارا کلام موجود نہیں جس کا سبب غالب یہ ہے کہ نسخہ اس سے پہلے کا ہے۔

”ارمغان غالب“ (اکرام) میں درج شدہ ”نوائے ظفر“ کی اُن غزلوں میں جو ہمارے نسخے میں موجود نہیں، مندرجہ ذیل غزلیات قابل توجہ ہیں:

۱: لازم تھا کہ دیکھو مراد سے کوئی دن اور

۲: خوش ہواے بخت کہ ہے آج ترے سرسرا

(۱) عارف کا مرثیہ ہے، عارف کا انتقال ۱۸۵۲ء میں ہوتا ہے۔ اس مرثیے کا اس دیوان نہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ نسخہ اس سنہ سے پہلے مرتب ہوا ہو گا، ورنہ اتفاقاً ہم کلام اس سے کس طرح خارج ہوتا؟

(۲) یہ مشہور نظم ہے، جس سے ذوق اور غالب کے ایک ادبی معارضے کا واقعہ وابستہ ہے۔ (اس کی تفصیل ”آپ حیات“ (آزاد) میں موجود ہیں) یہ واقعہ شیخ محمد اکرام کی تحقیق کی رو سے ۱۸۵۱ء میں پیش آیا تھا۔ اس اہم نظم کی عدم موجودگی بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نسخے کی ترتیب ۱۸۵۱ء سے قبل عمل میں آئی ہو گی۔

اس سلسلے میں ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ اس نسخے میں اگرچہ سرسرا موجود نہیں مگر وہ معذرتی قلمہ موجود ہے، جو سہرے سے وابستہ ہے یعنی۔

محسور ہے گزراش احوال واقعی

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

یہ ایک معنا ہے، میں اس معنی کا کوئی حل پیش نہیں کر سکتا^۱ بہر حال جو صورت بھی ہو ہم اس نسخے کو ۱۸۵۱ء سے بعد کا نسخہ نہیں کہہ سکتے۔ تمام قرائن یہ بتاتے ہیں کہ یہ نسخہ ۱۸۵۱ء

۱۔ سرے کا خوشگوار واقعہ دسمبر ۱۸۵۱ء میں پیش آیا، معذرتی قلمہ مارچ ۱۸۵۲ء میں لکھا گیا اور لکھے جانے کے ایک ہفتے کے اندر اندر ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء کے دہلی اردو اخبار میں چھپ گیا۔ ۱۸۵۱ء کے بعد غالب کی زندگی میں ان کا دیوان ان کے اہتمام میں تین بار چھپا، لیکن ”سہرا“ کسی اہمیت میں شامل نہیں رہا۔

[ڈاکٹر سید نعیم الرحمن]

میں مدون ہوا ہو گا۔ لیکن ہے اس کی تدوین اس شہر لے نے کی ہو جس کا ذکر مولانا مہر نے کیا ہے یا کسی اور نے — یہ مسلم ہے کہ اس کی کتابت میں ۱۱۷۱ھ تک کیا گیا ہے جو مرزا غالب سے غیر معمولی عقیدت اور محبت کا ثبوت ہے۔ اس نسخے کی دریافت سے شیخ محمد اکرام کا قائم کردہ عنوان ”لوائے ظفر“ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، یعنی: ایک نیا دور قائم ہو جاتا ہے جس کو ہم ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۱ء تک کا دور کہہ سکتے ہیں — اس نسخے کے ذریعے کلام غالب کی تاریخی تدوین کی مشکل کسی قدر آسان ہو گئی ہے اور ”لوائے ظفر“ کی بہت سی غزلیات (جو اس نسخے میں موجود ہیں) کے متعلق یہ یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ ۱۸۵۱ء سے پہلے کی ہیں۔“

[اطراف غالب، لاہور ۱۹۶۸ء، صفحہ ۴۷۲ تا ۴۸۲]

اس نسخے میں معذرتی قلمے کی موجودگی کی بنیاد پر اسے ۱۸۵۱ء کے بجائے ۱۸۵۱ء کے بعد کا خیال کرنا زیادہ صحیح ہو گا۔

۸

قاضی عبدالودود نے ”مخطوط دیوان غالب“ (کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور) اور مولانا امتیاز علی خاں مرثی نے ”نسخہ کاہنہ“ کے طور پر جس مخطوطے کے کوائف پیش کیے ہیں، بڑی حد تک اس کی تفصیلات اور علامات دی ہیں جو زیر نظر نسخہ خوبہ میں موجود ہیں۔ یاغورہ شیخ ابھری (لاہور) کے جس نادر نسخے کا ڈاکٹر سید عبداللہ نے تعارف کرایا ہے، وہ بھی نسخہ خوبہ سے مماثل ہے لیکن اس میں کچھ نمایاں اختلافات بھی ہیں — یہ اختلافات اور فرق، تعداد اشعار اور مشمولات کا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے بتایا ہے کہ ان کے نسخے کی تقریباً نصف تعداد اشعار کے بارے میں لکھا ہے کہ ”ہنگلی اشعار شعری شعار غزل و قطعه و رباعی ہزار و پانصد و پچہ و ائد یا اتم۔“ (اطراف غالب صفحہ ۲۷۶) لیکن خود سید صاحب نے اشعار کا جو شمار کیا ہے، اس کا حاصل، اس تقریبی بیان سے مختلف ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ:

”ابہرے موجودہ زیر بحث نسخے میں ۱۵۶۸ اشعار ہیں، ان میں سے ۱۳۳۲ اشعار

۱۔ معذرتی قلمے کی موجودگی میں یہ اصرار مناسب دکھائی نہیں دیتا کہ یہ نسخہ ۱۸۵۱ء میں مدون ہوا ہو گا۔ یہ نسخہ مارچ ۱۸۵۲ء کے بعد کا ضرور مانا جاسکتا ہے۔
[ڈاکٹر سید نعیم الرحمن]

غزل کے ہیں۔ باقی دوسری اصناف کے۔“

[اطراف غالب، صفحہ ۲۷۸]

جبکہ ”نثرِ خوب“ میں اشعار کی مجموعی تعداد ۱۵۳۸ ہے۔ ان میں سے ۱۳۱۴ شعر غزلیات کے ہیں اور باقی دوسری اصناف کے۔

”نثرِ خوب“ کی تقریباً نصف میں تعداد شعر کے لیے وہی الفاظ اور اعداد آئے ہیں جو سید عبداللہ کے متعارف نسخے کے ہیں۔ ”— ہنگی اشعار شعری شمار غزل و قصیدہ و قطعوہ و رباعی ہزارہ پانصد و پچہ و اندہ یا فتم —“ (نثرِ خوب، صفحہ ۱۲۷) لیکن اصلاً اشعار کی تعداد ۱۵۳۸ ہے۔ عربی صاحب کے دیئے گئے گوشارۃ اشعار کے مطابق بھی تعداد ۱۵۳۸ ملتی ہے، جو ”نثرِ خوب“ کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کے متعارف نسخے میں، ”نثرِ خوب“ کے مقابلے میں ہیں اشعار زیادہ ہیں۔ میں اشعار کا یہ فرق دونوں نسخوں میں شامل غزل کے اشعار میں ہے۔ سید عبداللہ اپنے نسخے میں ۱۳۳۲ اشعار، غزل کے جاتے ہیں، ”نثرِ خوب“ میں غزل کے اشعار کی تعداد ۱۳۱۴ ہے — نثرِ خوب میں کچھ غزلیں گویا کم ہیں — لیکن ”نثرِ خوب“ میں، کچھ غزلیں ڈاکٹر سید عبداللہ کے متعارف نسخے سے زیادہ بھی ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ”ارمغانِ غالب“ (اکرام کے دور چہارم ”لوائے ظفر“ ۱۸۴۷ء-۱۸۵۷ء) میں درج شدہ بعض ایسی غزلیات کے مطلع پیش کیے ہیں، جو ان کے متعارف نسخے میں موجود نہیں تھے۔ لیکن ان غزلوں میں سے کم از کم دو غزلیں:

۱۔ دونوں جہاں دے کے وہ مجھے یہ خوش رہا

۲۔ لازم تھا کہ دیکھو مرادست کوئی دن اور

”نثرِ خوب“ میں موجود ہیں — یہی غزل (تین اشعار پر مبنی) صفحہ ۵۰ پر، اور دوسری غزل (دس اشعار پر مشتمل) صفحہ ۳۳ پر۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے جن دو تذکرۃ الصدور غزلوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ ان کے مخطوطے میں موجود نہیں — ان دونوں غزلوں کے بارے میں مولانا امتیاز علی خاں عربی کا مشاہدہ اس کے برعکس ہے، وہ ان دونوں کو ”نثرِ کلاہور“ میں شامل مانتے ہیں۔ جبکہ قاضی عبدالودود کی تصریحات اس بارے میں مبہول ہیں۔

۱۔ ”قصیدہ“ کا قطعہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نسخے کی تقریباً نصف میں ہے۔ ج۔ ”اطرافِ غالب“ ایضاً، صفحہ ۲۷۹-۲۸۰

ج۔ دیوانِ غالب، نسخہ عربی، طبع ۱۹۸۲ء، صفحہ ۲۲۴ اور صفحہ ۲۰۶ (مثنیٰ علی الترتیب۔

مختصر یہ کہ "نسۃ گلوہ"، مرثی صاحب کے حعارف "نسۃ لاہور" اور قاضی عبدالودود کے "مخطوطہ دیوان غالب" کے بڑی حد تک مطابقی اور ڈاکٹر سید عبداللہ کے حعارف مخطوطے سے مماثل، لیکن اس سے مختلف ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے حعارف نسخے میں مرثیہ "عارف کے شامل نہ ہونے سے ایک بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ اپریل ۱۸۵۲ء یا اس سے پہلے کا ہے۔ اس میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی شہادت کے مطابق، اس کے بعد کا کام نہیں ہے جبکہ "نسۃ گلوہ"، اگست ۱۸۵۲ء تک کے کام پر مبنی ہے۔

(۹)

"نسۃ گلوہ"، کام غالب کی تاریخی ترتیب اور تدوین میں ایک لازمی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک موقع پر امتیاز علی خاں مرثی نے لکھا ہے کہ:

"میں نے دیوان غالب کی ترتیب و تصحیح میں اس کا احترام کیا تھا کہ ان کے عہد کے نسخوں کے سوا کوئی اور مخطوطہ استعمال نہیں کروں گا۔"

[اشاد یہ 'غالب' سید نصیر الرحمن، لاہور ۱۹۶۹ء، صفحہ ۲۵۹]

اس قید اور پابندی کے ساتھ مرثی صاحب کو غالب کے اردو کام کے جو قلمی نسخے میسر آئے، اس کا تاریخ وار اجمالی خاکہ انہوں نے اپنے مرتبہ "دیوان" (اردو) طبع دوم کے مقدمے (صفحہ ۱۵۵) میں پیش کیا ہے۔ غالب کے قلمی نسخوں کا اندازہ شکاس اُن سے بڑھ کر کون ہوگا۔

غالب کا پہلا قلمی نسخہ جسے تمام تر مخطوطہ غالب ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ۱۸۱۶ء کا مکتوبہ ہے۔ ۱۸۱۶ء سے ۱۸۵۲ء تک جو زیر نظر "نسۃ گلوہ" کا سال ترتیب ہے، مرثی صاحب نے اس قلمی نسخوں کی نشاندہی کی ہے:

تقریباً تاریخی ترتیب

نام نسخہ

۱۔ نسۃ "مرثی زادہ" (نسۃ لاہور / نقوش) ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء

۲۔ نسۃ "بھوپال (حمید یہ)" ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء

۳۔ نسۃ "شیرانی" ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۹ء

۴۔ گل رعنا ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۸ء

۵۔ نسۃ "راپور قدیم" ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۳ء

- ۶۔ انتخاب غالب ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء
 ۷۔ نسخہ بدایوں ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۸ء
 ۸۔ نسخہ ویسٹ ۱۴۶۱ھ/ ۱۸۲۵ء
 ۹۔ نسخہ کریم الدین (کراچی) ۱۴۶۱ھ/ ۱۸۲۵ء
 ۱۰۔ نسخہ کلاہور ۱۴۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء

جسے مولانا امتیاز علی خاں عرشی "نسخہ کلاہور" کہہ رہے ہیں۔ وہ اپنے کوائف اور مشمولات کے اعتبار سے کچھ اختلافات کے باوصف "نسخہ خولید" سے بڑی حد تک مماثل اور قریب تر ہے۔ نسخہ حصار ذاکٹر سید عبداللہ اب پنجاب یونیورسٹی لاہور (لاہور) میں دستیاب نہیں لیکن اسے "نسخہ خولید" کا قرب العهد ماننا چاہیے، اس میں میں اشعار "نسخہ خولید" سے زیادہ تھے اگرچہ کم از کم دو غزلیں "نسخہ خولید" میں اس سے زیادہ ہیں۔

دیوان غالب (اردو) کے معاصر خطی نسخوں، یعنی مہدیہ غالب کے موجود اور معلوم نسخوں میں باقیاہ زمانی "نسخہ خولید" دوسری گیارہویں نمبر پر آتا ہے اور اس سے ۱۸۵۲ء تک کے کلام کا بالکلین تعین ہو جاتا ہے، ۱۸۵۲ء تک کے کلام کی حد بندی (توقیت) کے ضمن میں اس کی حیثیت مسلم ہے۔

"نسخہ کلاہور" (حصار عرشی) نیز "مخطوط دیوان غالب" (قاضی عبدالودود) اور دیوان غالب کے چوتھی نسخے (حصار سید عبداللہ) کی عدم موجودگی میں اب "نسخہ خولید" ہی وہ واحد ماخذ رہ گیا ہے جس کی بنیاد پر غالب کے ۱۸۵۲ء تک کے اردو کلام کی نشاندہی ممکن ہے۔

(۱۰)

غالب کی درج ذیل تیس (۳۰) غزلیات پہلی بار "نسخہ خولید" میں شامل ہوئیں۔ اس لیے ان کا زمانہ نگارش مئی ۱۸۳۷ء (دیوان غالب طبع دوم)، اور اگست ۱۸۵۲ء (نسخہ خولید) کے درمیان خیال کرنا چاہیے:

- ۱۔ بزم شادشاہ دفتر کھلا نسخہ خولید صفحہ ۸-۹ تعداد اشعار ۱۰
- ۲۔ یہ نہ تھی بار ہوتا ۱۳-۱۴ ۱۱
- ۳۔ میں لہر بزم سے سے ہوا تھا ۱۶ ۳
- ۴۔ گھر تھرا دیراں ہوتا ۱۷ ۳

۳	۱۷	۵۔ دھنچا کچھ..... خدا ہوتا
۱۱	۱۹-۲۰	۶۔ ہوئی تاخیر..... تاخیر بھی تھا
۸	۲۲-۲۳	۷۔ ذکر اس پر ہی دس کا..... اپنا
۷	۲۳-۲۴	۸۔ جود سے..... آئیں کیا
۹	۲۹-۳۰	۹۔ گھر چب ہا لیا..... کہے بغیر
۱۱	۳۱-۳۲	۱۰۔ ہے بسک..... نکلاں اور
۱۰	۳۳	۱۱۔ لازم تھا..... اور
۱۰	۳۷-۳۸	۱۲۔ حیراں ہوں..... جگر کو میں
۳	۵۰	۱۳۔ دونوں جہاں..... خوش رہا
۸	۵۱-۵۲	۱۴۔ دائم چڑا..... نہیں ہوں میں
۱۶	۵۲-۵۳	۱۵۔ سب کہاں..... ہو گئیں
۷	۵۸-۵۹	۱۶۔ تم جانو..... راہ ہو
۹	۶۸	۱۷۔ اسی بزم میں..... حیا کیے
۷	۷۲	۱۸۔ تسکین کو..... نظر ملے
۶	۷۲-۷۳	۱۹۔ کوئی دن گر..... اور ہے
۱۰	۷۳	۲۰۔ کوئی امید بر نہیں آتی
۱۱	۷۳-۷۴	۲۱۔ دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
۹	۷۳-۷۵	۲۲۔ کہتے تو ہوتم..... آئے
۱۰	۸۰-۸۱	۲۳۔ حسن مدگر چہ..... اچھا ہے
۱۴	۸۲-۸۳	۲۴۔ شکوے کے نام..... ہوتا ہے
۱۰	۸۳-۸۴	۲۵۔ ہر ایک بات..... کیا ہے
۳	۸۴	۲۶۔ میں انہیں پیچیزوں سے ہوتے

۹۳-۹۴	۱۰	۲۷۔ حضور شاہ... آزمائش ہے
۹۷-۹۹	۱۰	۲۸۔ اپنی مریم ہوا کرے کوئی
۱۰۲-۱۰۱	۹	۲۹۔ منظور تھی یہ نگاہیں . قطبہ کی
۱۰۲	۹	۳۰۔ غم کھانے میں بہت ہے

تین غزلوں کے اشعار کی مجموعی تعداد = ۲۵۷

مندرجہ بالا غزلوں کے علاوہ درج ظفر، غالب کے درج ذیل دو (۲) قصائد ”نہو خوبہ“ (= اگست

۱۸۵۴ء) ہی میں پہلی مرتبہ شامل ہوئے:

۱۔ ہاں بہ تو نہیں ہم اس کا نام صفحہ: ۱۰۹-۱۱۳ اشعار: ۵۸

۲۔ صبح دم دروازہ خاور کھلا صفحہ: ۱۱۳-۱۱۹ اشعار: ۳۳

۱۰۱ = قصائد کے اشعار کی مجموعی تعداد

غالب کے درج ذیل دو (۲) قطعات (تعداد اشعار = اٹھیس) اور یہ دو (۲) رباعیاں بھی زیرِ نظر، ”نہو“

خوبہ“ ہی میں پہلی مرتبہ شامل ہوئیں۔

۱۔ (قطعا): اے شہنشاہ فلک مظہر ہے مثلِ و نظیر صفحہ: ۱۱۸-۱۱۹

۲۔ (قطعا): منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی صفحہ: ۱۱۹-۱۲۰

۳۔ (رباعی): حق، شر کی پتا سے طلق کو شاہ کرے صفحہ: ۱۲۲

۴۔ (رباعی): اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، جگہ سوا صفحہ: ۱۲۲

اس طرح تین غزلوں، دو قصیدوں، دو رباعیوں اور دو قطعات کے تین سو اکتالیس (۳۹۱) اشعار کی حد

تک، کام غالب کا زمانی تعین ”نہو خوبہ“ ہی کی مدد اور مستند حوالے سے ممکن ہوتا ہے۔ یہ اس نسخے کی ایک بڑی

وجہ ’فہرست اور اہمیت ہے۔

ذکر سید نعین الرحمن

۱۳ اگست ۲۰۰۰ء

ذین فیکٹی آف آرٹس

پروفیسر و صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، لاہور

نسخہ

دیوان غالب

غالب کے اصلاحی دیوان کا اہم قلمی نسخہ

پیش کش

ڈاکٹر سید سعید الرحمن



مشام حمیم آشنایان اصل و بنا و انجمن شبنان را مرده که لعلی از
 سامان مجرور دانی آماوه و توانمی از خود بندی و مستی به داده است
 نه جوهای سنگ شکو پ خورده به بخارا طبعی سنگسته فی اقامت را
 بلکه به تیر شکافه به کار و ریز ریز کرده به بومان خراشیده آید و نس
 که اعلی شوق بخوی آتش پاریسی به آتشی که در گلجهای خنده
 و خاموشی از لطف خاکستر بر گشتش سبب پوش منی چه بر وی مسلم
 از نایابی به استخوان مرده و ناکار سنگستن و از دیوانگی پرشته شمع در گشته
 آویندن بر آینه بدل که دامن خیزد و بر نرم آفریندن آتش بدین رخ آتش

بعضی برافروخته و آتش پرست را بداد افواه هم در آتش سوزند
تا سید اند که پیر و پند در جوی آن خشنه آوند نعل در آتش سبک
بحکم روشنی نه سنگی سنگ ب من کافه و در ایوان پیر است نشسته و نمایان
خس را فروغ سب و لاله را رنگ شمع را چشم و کده را چراغ خشنه و بزوان
و در آن سخن با فروز را سپاسم که شرای از آن آتش تا خاک بجا که تر و شبن
یافته به کاد کاه و سینه خنایم و آید نفس و مد بر آن بر نباده بود که در اندک شایسته
و در کار آن آینه فرام تو انداید که مجره را قورده شمای چراغ و رایحه
مور را بال شناسای و مانع تو اند بخشید همانا کجا بنده این نامه را آن
در دست که پس از این بی یوان رنج نه برگ و آوردن سر بایه و یوان غار
بر خیزد و با سینه کمال این فروز و فن پس از انوی خوشین نشیند
اسید که سخن بر این سخن در شمای پر کنده ایانی را که خارج از این اوراق
یا بنده اند اما تراوش رنگ گلک این نامه سپاه شناسند و چای که در
در شمای و سحر پیش آن اشعار صفت و مانع از سکانه یار این بود
هرستی ناشنیده از سبسی پر پیدای نامه سپیده معنی نقش نصیر آمده
نقاش که به **سید الشان** موسوم و به **میرزا نوشه** معروف به **غالب**

مخلص است چنانکه اگر ای مولود دلبوی کن است و جام که ریختی در فن نیز باد



<p>کافعی بی پیرین هر یک تصویر کا صبح که ناشام کا لای بی چو شبر کا سینه بشیر سی با هر می شمشیر کا در عافیه ای اینی عالم نقره کا موی آتش دیده ای علقه میری زنجیر کا</p>	<p>افش فریادی بی کس شونی تحریر کا کا و کا و سخت جانهای تنهای نوچه جذبیل غبار شوق و کینه جایی آبکی دم شنیدن جگر چایی بچها لبیکه چون ناله اسیرین بوی آتش زیا</p>
---	---

جوان نخله لاله رخسار خجسته
بنا کیاد **سرخ** غمخوار جان در دمنده ای

<p>صحرایم مکن چشم سود غما ظاهر بود که دلخ کاسه رایه دو دغا جب آنکه کبیل کوی نه زبان نهان بود غما لیکن بی که رفت گیا اور بود غما</p>	<p>جرقیل در کوی نایاب روی کار آتشکده فی نقش سوزا کیاد است تها خواستین جنال که نجسی معاد لینا چون کتب غم و لیلین سبق هنوز</p>
---	--

دو دنیا کھن فی دماغ خوب سپر بنکے
 مین در نہ ہر لباسین ننگ و دہتا
 تیشی نیز مرنگا کو حکم **ر**
 سرکشہ خار رسم و صید و ہتا

کہتی ہونہ کی ہم دل اگر پرا پا یا
 عشق ہی طبیعت فی زلیبت کا پرا پا یا
 دوستدار دشمن ہی اعما و دل معلوم
 سادگی و چکاری جو ذی و ہشیار
 غنچہ نہر لگا بکشتی آج معنی اپنا دل
 حال دل نہیں معلوم لیکن بقدر ہے
 شور نہ ناصح فی زخم نہر نک چکر کا
 دل کیاں کہ کم کچی معنی دعا پا یا
 درد کی دوا پاخی درد ہی دوا پا یا
 اہل شاد کی مالا مار سا پا یا
 حسن کو تغافل میں جرات آنا پا یا
 خون کیا ہوا دیکھا کم کیا ہوا پا یا
 ہمنی بارٹا دھونڈا معنی بارٹا پا یا
 آپے کوئی پوچھی معنی کیا نہر پا یا

دل مرا سوز نہانی بی محابا جل گیا
 دلین و قیصل یاد بار کسبانی پین
 میری آہ تیشیں سی بال غفا جل گیا
 کچھ خیال آیا تہا جشت کا کچھ جل گیا
 دل سے سوز نہانی بی محابا جل گیا
 اک اس کہرین لگی ایسی کہ جہتا جل گیا
 میری آہ تیشیں سی بال غفا جل گیا
 کچھ خیال آیا تہا جشت کا کچھ جل گیا

دل نہیں بھگو دکھانا ورنہ دھوکے پیار
مین ہر باد افروزی کی آئندہ **غالب** کی دل

اس چراغان کا کروں کیا کار فرما جس کیا
دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا جل گیا

شوقِ ہر رنگِ قیبِ سر و سامان نکلا
زخمِ فی داؤدندی سنگی و کئی یارب
یوگی گل مالِ دل و دودِ چراغِ محفل
دلِ حریت زدہ تہا مایعِ لذت درد
ہی نو آموزِ فنا ہمت و شہوار پسند
ولین ہر گزیری کی امکشت راہ ہایا **غالب**

قیس تصویر کی ہر دین ہی عریان نکلا
تیر ہی سینہ بسیر سی پرافشان نکلا
جو تری ہر دم سسی نکلا سو پشایان نکلا
کلامِ یاروں کا بقدر لبِ ندان نکلا
سخت مشکل ہی کہ یہ کام ہی آسان نکلا
آدمِ قطره نہ نکلا تہا سوطہ خان نکلا

دھکی مین گر گیا چونہ بابِ نیرِ تہا
تہا ز ندکی مین مرگ کا کشتکا لگا ہوا
تا لیتِ نسخہ نامی و خاکِ مرگِ تہا مین
دلِ نا جبکہ کہ ساحلِ دریایِ خون ہی آ
جانی ہی کوئی کشتکشتر اندوہِ عشق کے

عشقِ نیرِ پیشِ طلبکارِ مردِ تہا
ورنہ ہی پیشتر ہی مزارِ کشتِ تہا
عجوبہ خیالِ ابھی فرو مند تہا
امن بکڑ مین جلوہ گل اگی گرد تہا
دل ہی اگر گیا تو ہی دل کا درد تہا

جباب چاره سازی خشت نکر کے
یاش کی گفت **پس** خستہ جانکی ہے

زندان میں بھی خیال بایان نورد تھا
حق مغفرت کری عجب آزاد مرد تھا

شمار سچہ جو بیت مشکل پسند آیا
بغض بدلی نومیدی جاوید آسان
ہوای سیر گل آئینہ ہمہ کے فاضل

نماشای بیکت برون صد دل پسند آیا
کشایش کو ہوا عقدہ مشکل پسند آیا
کہ انداز بخون غلتیدن بسمل پسند آیا

دہر میں نفس و خاویہ تے ہوا
مینی چاہا ہناک اندوہ خاصی چوٹوں
دل گر گاہ خیالی و ساغر ہی ہے
ہوں تری وعدہ کر نہیں ہی انھی کبھی
کس سے عہدی قسمت کی شکایت کبھی
مر گیا صد ملک جنبش لبسی **غالب**

ہی یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی ہوا
وہ سنگد مری مرنی پہ بھی راضی ہوا
گر نفس چاہدہ سر منزل تقویٰ ہوا
گوشت منت کش کلبا بگ تسلی ہوا
ہمینی چاہا ہناک مر جانیں سو وہ ہی ہوا
نا توانی سی حریف دم عیسیٰ ہوا

ستارنگری زانہر عقدہ جسیر باغ رضوان

وہ ملک ستہ ہی ہم خود و کی باغ نسیان

بیان کیا کجی پیدا و کاوشهای شکاران کا
 نہ اسی سلطنت قاضی ہی مانع میری تالوار کو
 دکھاؤنگا تا شادی اگر فرصت زمانی
 کیا نہ غائب کا و نقشا تیری جلوئی
 مری تیر میں مضر ہی لاکھ ست خزان
 او گلی گیر میں ہر سبز و ویرانی طاشا
 خوشی میں نہان جو گشتہ کھوون گزروں میں
 ہنوز لکاپے تو نقش خیال یار بانی ہے
 بغیر عیر کا آج آپ فی میں کہیں در
 بنیں معلوم کہیں کا بھرائی ہوا ہوگا
 نظر میں ہی ہمارا وہ راہ فنا غالب

کہ ہر ایک قطعہ خون تانہ ہی سیج در جان کا
 لیا و اتو بین چو تنکا ہوا ریشہ نیسان کا
 مرا دماغ دل ایک تنہم ہی سرو چراغان کا
 کری جو پر تو خشد عالم شبنم سان کا
 ہویں برف خمر کی غل غل گرم و بھان کا
 در اب کہو دنی پر کہیں کی ہی دھن کا
 چرخ زدہ ہون میں یزبان گداز بان کا
 دل افرو گویا جو ہی دوست کے رن کا
 سب کیا یہ زمین اگر شیبہای نہان کا
 قیامت ہی سر شاخ آلودہ ہون تیرے کان کا
 کو یہ شیلہ ہی عالم کی اجڑی لاش کا

ہو گا کیا چیلان مانگی حق کو کم میرا
 جلد سے بڑھتا ہی بخش قدم میرا

محبت نہی چہن ہی ملکر پات پیدائی
 کہ صبح ہو گل سی تاک میں آتا ہنم میرا

سر ابرو عشق و ناگزیر الفت هست
بقدر ظرفی بیانی خوار شده کامی هست

عبادت برف کی کرنا هونی نه منو صلس کا
جو تودریای می تویم خیاره هون حاصل کا

محم بنین ہی تو ہی نواغای راز کا
زنگ شکسته صبح بہار نظارہ
تو اور سوی غیر نظر ثانی تیر تیر
صرف ہی ضبط آہ میں پیدا کر نہ میں
ہیں بیکہ چو شادہ شیشی او چلے
کاوش کا دل کرسی ہی غافل کامی نہیں
ناراج کاوشر منم ہجران ہوا

بیان دہندہ جو حجاب ہے پردہ ہی ساز کا
یہ وقت ہی گھنٹہ گھای ناز کا
میں اور کچھ تری مڑہ مای دراز کا
طعم ہون ایک ہے نفس جا بگدا ز کا
ہر گوشہ لباط ہی شریف باز کا
ناخن پہ قوس اس گرہ نیم باز کا
سینہ کہ نہاد حقینہ کبریا راز کا

نہم شاہنشاہ بن اشار کا دفتر کھلا
شبہ ی پر انجم خشنود کا منظر کھلا
کہ چون دیوانہ پر کوئی سٹکا کھلا
کوئی بھونکے کی مانگی کو زیادہ اوسکا کھلا

رکبہ یارب یہ در کھینچنے کو مگر کھلا
اس نکلے کی گویا بنگہ یکا در کھلا
آہستہ میں دینے پنهان طاعت میں نشتر کھلا
پر کھیا کم ہی کہ چھپی وہ بری بیکر کھلا

ہی خیال سن میں حسن عمل کا سا خیال
 موند نہ کھلنی برہی عالم کو دیکھا ہی نہ
 دیر رہی گو کہا اور کہہ کی کیا پر گیا
 کیوں اندھیری سے غم بجا و نکاح نہ
 کیا ہر غرت میں خوشی و جوار نکاح
 او کی امت میں ہر کسیر پر کس کا نہ

حلقہ کا اکٹ ہی میری گور کی اندھ کھلا
 زلف سی بڑو کز نقاب سر شعلی ہو نہ پر
 جتنی عرصی میں مر الیسا ہوا سب کھلا
 اچ او دہری کو رہ گیا وہ دہرا کھلا
 نامہ لانا ہی وطن سی نامہ پر اکثر کھلا
 واسطی جس کی غالب کھنڈی در کھلا

شب کی برق سوز دل ہی ہوا ایر آہ تبا
 و مان کر کم کو عذرا بارش نہا نکیر خرام
 و مان خود آرا سکو نہا موتی پر و نکاح خیال
 جلوہ گلی کیا تھا و مان چراغان آج
 یہاں غم سر نہا نہا شمع بزم چود
 خوشی کمر شوں طالع مان تیا موع رنگ
 نہا کھلن سر نہا خوابہ شکافی لگا

شعلہ جوالہ ہر کیا حلقہ گرد آہ تبا
 گر کسی بیان میں نہا بال شعلت آہ تبا
 یہاں جھوم شک میں مار نگہ نایاب تبا
 یہاں و ان گر کا چشم نہی خون تبا
 جلوہ گل و مان بساط صحبت احباب تبا
 یہاں میں ہی آسمان یک صحن کا باب تبا
 دل کہ ذوق کاوش ناخن سی لذت تبا

نالده لیریش یئاز اشترایاب تها
 معصم سیلاک دل کینا ایلانگ
 تاز شایام خاکستر نشین کیا کبون
 کچنگی اپنی جون نارسانی ورنه بیان
 آج کبون پو اینین اپنی سیرانگی تھی
 یادکر و دکن که هر یک خلق تبری ام کا
 مینی روکارت **غالب** کو ورنه دکنی

تھاسند بزم و صغر کو بیاب تها
 خانعاش نکر ساز صدای آب تها
 پہلوی اندک وقت لیسر سنجاب تها
 ذوق و کشر خوشی عالمان تها
 کل فلک تبراهی دل مہر و فاکا باب تها
 انظار صیدین اکنت و جویاب تها
 او کی سیر کر یہ مین گرد و کی سیلاک

اک ایک قطره کا بھی دنیا پر حساب
 اب بن ہون اور غم یک شہد آندو
 کلیو نہیں میری غمش کی گنجی پر و کین
 موج سرباشت و فاکا ہر چال
 کم جانی ہی ہم ہی غم عشق کو پر اب

خون جگر و دلیت مرگان بار تها
 تو تاج و تونی آئینہ نشان دار تها
 جان دادہ ہوا ہی سر رھزار تها
 ہر ذوق مثل جہر شیخ آبدار تها
 دیکھا تو کم ہوئی پر غم روزگار تها

بسکود شہر ہی ہر کام کا آسان ہونا

آدمی کو ہی سیر شدن انسان ہونا

که چای ای خرابی مری کا شایک
 دای دیوانگی شوق که ہر دم محکم
 بطورہ از بسکہ تقاضای نظر کرتا ہے
 عشرت قتلکہ اہل تمناست پوچھ
 لیکنے خاکین ہم دافع تمنای نشاط
 عشرت پارہ دل زخم تنہا کسانا
 کی مری قتل کی بعد اوسنی جفا سی تہ
 حیف امر جاگرہ کہہ کر کی قسمت **غالب**

درد دیواری سکی ہی بیابان ہوتا
 آپ جانا او دہر اور آپے حیران ہوتا
 جو ہر آمینہ بھی چاہی ہی مرگان ہوتا
 عید نظارہ ہی شمشیر کا عریان ہوتا
 تو ہوا اور آپ بصد رنگ گلستان ہوتا
 لذت ریش جگر غرق نکلان ہوتا
 مای و شمع و پشیمان کا پشیمان ہوتا
 جسکی نصرت میں ہوا شمشیر کا گریان ہوتا

شبخیز شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
 کبکدم وحشت سی درس دفتر امکان
 مانع وحشت خرابیہای لیلی کون ہے
 پوچھت سوانی اندازہ استغفار حسن
 نالہ دل فی دمی اوراق لحنت دل بیاد

نامحیط بادہ صورخانہ خمیازہ تھا
 جادہ اجزای دو عالم شبت کا شیرازہ تھا
 خانہ مجنون حوگر دی دروازہ تھا
 دست مہر ہون جناخار رہن خانہ تھا
 یاد کا زنا لیکٹ یوان بی شیرازہ تھا

دوست غمخواری بن سیرسی فراوانگی کیا
 بی نیازی جدی گزنی منہ پر کر انگ کیا
 حضرت ناصح کراؤین دیدہ و دل فرس راہ
 آج وطن رخ آکھن باندھی ہوئی جانا ہرین
 گر کیا ناصح فی حکو قید اچھا یوں سم
 خانہ زانو زلفین بن بخیری پہا کیسے کرین
 ہی ایسے سمورہ میں قحط غم الفت

زخم کی بہتی تلک ناخن نہ بڑھا دیکھی کیا
 ہم کیسے مائل اور آپ فراوانگی کیا
 کوئی جھکویہ تو سمجھا دو کہ سمجھا دیکھی کیا
 عند صبری قتل کی مین وہ الگ دیکھی کیا
 یہ جوں غم کی کا انداز جھٹ جا دیکھی کیا
 ہرین گرفتار خانہ زندان کی گہرا دیکھی کیا
 ہمیں یہاں کا کوئی مین رہی کہا دیکھی کیا

ہوس کو ہی نشاط کا کیا کیا
 سجاوٹ پیچھے سیدھا کیا
 نواز شبہای جیادیکھتا ہوں
 لکھ دی محابا جاعستا ہوں
 فروغ شعلہ خس کمنفیس ہے
 نفس موج محیط جود ہے
 دماغ عطر ہیرا ہن نہیں ہے

ہنومرنا تو جیسے کا مڑا کیا
 کہا تلک ای سراپا ناز کیا کیا
 شکایت ہای رنگین کا گلا کیا
 تغافلہای تھکن آزما کیا
 ہوس کو پارسا موس و فا کیا
 تغافلہای ساقی کا گلا کیا
 غم آوار گیہای صبا کیا

هم او سکی بین چاراپو چنایا
 شهیدان گنجه کا خون بها کیا
 شکست قیمت و فکلی صد اکیا
 شکب خاطر عاشق بهلا کیا
 یہ کا فرقتہ لطافت رہا کیا
 عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

دل ہر قطرہ ہی ساز انا البحر
 محابا کیا ہی میں خامن او ہر دیکھ
 سنای غارتگر حبس فاسن
 کیا کسنی جگر داریکا دعوی
 یہ فاقہ وعدہ صبر ازط کیون
 بلای جان ہی **غالب** او سکی ہر بات

اگر او بہتی رہتی ہی منتظر ہوتا
 کہ خوشی ہی مرتجائی اگر اعتبار ہوتا
 کبھی تونہ توڑ سکنا اگر استوار ہوتا
 یہ خلش کھانسی ہوتی جو جگر کی پار ہوتا
 کوئی چاہ ساز ہوتا کوئی غم ساز ہوتا
 جسی غم سمجھ رہی ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غم عشق گر نہوتا غم روزگار ہوتا
 چھی کیا بڑا ہمارا اگر ایک بار ہوتا

یہ تھی ہماری قسمت وصال یار ہوتا
 تری وعدہ ہر جی ہم تو یہ جان چوڑا ہوتا
 تری ناسکی سی جاناکر بندہ تہا جودا
 کوئی میری دلی پوچی تری تیر گلشن کو
 یہ کہا نکی دوستی ہی کہ غنی میں دوست ناصح
 رکنکے پنگنا وہ ہو کہ ہر نہ نہتا
 غم اگر چہ جان گسل ہی پہ کھان چھینا
 کہوں کس سی میں کہ کیا ہی شب غم ہی ہوتا

هوتی مکی هم چو رسا بودی کسوف غرق دریا
اوسی کون کپکسکا که یگانا نه پی ده کیتا
میسای تصوف به ترابیان **غالب**

نه کپس خایزه دام تسانه کسین مزار سوتا
جو دوی کی بوپی هوتی تو کسین دو چار سوتا
نچی هم ولی بجهتی جو نه باده خوار سوتا

اسد هم ده جنون جلالت کندی بی سرو پاین

که بی سر پنج مرگان اهورا پشت خارا پائین

بی نذر کم پنجه بی شرم نارسائی کا
نهو غنای شادوست رسو ابیو غای کا
که کاسین دای جلوه پیش که مهر آسا
نما را جا کبر بهجوم غافل تیری گردن
تسائی زبان محسپاس بنزانی بی
و هی ایکایت بی جویان فطرت انگشت کل
و دان برت پیچاره جو زنجیر رسوائی

بخون غلتیده صد رنگ عوی پارسائی کا
مهر صد نظر ثابت بی دعوی پارسائی کا
چراغ خانه درویش بو کاسه کاسی کا
رطمانه خون یک حق آشنائی کا
شاجسی نقاضا سگوره سید پائی کا
چمن کا جلوه باعث مری گنیم نوائی کا
عدم تک بو فاجره جایی تیری بو فائی کا

نه دی نامیکو اتنا طول **غالب** مختصر کلبه و

که حیرت خج برون عرض نهیهای جدائی کا

گردانده شب فرقت بیان هر جا بگیا
 زهره گر ایستایم جرمین پرتابی آب
 لی تو لون سستی مینا بسکی پادشاه بوسه گر
 و کلام صفت ناب بھی بچی کیا معلوم تنها
 سبک و لنین ہی جگہ نبری جو تو رضی
 کرنگا کہم فرماتی رہی تعلیم ضبط
 باغ من بکجہ لعلجا و زعفری حال پر
 وای کر میرا انصاف محشر میں نہو
 خاندہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہی **اس**

فی کلف غم سر مهر وطن ہر جا بگیا
 پرتو مہتاب میل غامغان ہر جا بگیا
 ایسی نائون سی وہ کافر بد کمان ہر جا بگیا
 یعنی یہ پہلی ہی نذر امتحان ہر جا بگیا
 مجھ پہ گو یا اکٹھا نامہ رمان ہر جا بگیا
 شعلہ خس میں جیسی غم کین نشان ہر جا بگیا
 ہر گل نر ایک چشم خون نشان ہر جا بگیا
 اسٹاک تو یہ توقع ہی کہ وطن ہر جا بگیا
 وہ سستی نا واکسی ہی جیکہ زبان ہر جا بگیا

کلابی شوق کو دلین ہی تنگی جا کا
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور پانچ مکتوب
 خانی پانی خزان ہی بہار اگر ہی ہے
 غم فرا تین تکلیف میرا باغ ندو
 بنو زہری حسن کو ترستا ہوں

اگر میں محو اضطراب دریا کا
 مگر ستمزدہ ہوں ذوق غمہ فرسا کا
 دوام کلفت خاطر ہی عیش دنیا کا
 بھی دماغ بنین خندہ نای بجا کا
 کر ہی ہر بن مولا کام چشم مہنا کا

دل او سکو پہلی ہی ناز و اداسی دیتی ہے
بکر گریہ بمقدار حسرت دل ہے
حکایت کو دیکھ لی کرنا ہوں او سکو باوا

ہر دم دماغ کہان جسکی نفاضا کا
میری نگاہ میں ہی جمع و خراج دریا کا
جفا میں اسکی ہی ناز و کار فرما کا

قطرہ می بکسرت ہی نفس پر و ہوا
ہستیا عشق کی خانہ خرابی دیکھنا

خطِ جام می سراسر رشتہ گوہر ہوا
غیر فی کی آہ لیکن وہ خفا صحر ہوا

جب بیزب سفر یار فی محمل باندہ
اہلِ شہر نے ہجرت کہہ شوخی ناز
یار و اسبندی پاک عہد میدانِ گنگا
نہ بند ہی نشانی شہرِ مغلّی صفوں **غالب**

تپش شوق فی ہر ذرہ پیا کیل باندہ
جو ہر مینہ کو طوطی بسمل باندہ
عجزِ محبت فی طلسم دل سایل باندہ
گرچہ دل کہو لگی دریا کو بھی سائل باندہ

میں اور بزم می ہی بولن شہ کا م آؤں
ہی ایک تیرے جبین دوزخ میں ہی پڑی
دواندگی میں **غالب** کہیں بڑی تو جانوں

گر مینی کی تہی تو پر ساقی کو کیا ہوا تھا
توہ دن گئی کہا پناہی جگر جدا تھا
جب بشتہ کی کرہ تھا ناخن کرہ کٹا تھا

بہر جا جو خردی ہی تو دیران ہوتا
گنگی دل کا گلا کیا یہ وہ کا فردل ہے
بعد یک عروج بار تو دینا بارے

بجو کر بھر ہوتا تو سیا بان ہوتا
کہ اگر تگ نہ تھے ناتو پریشان ہوتا
کاش صنوائے ہی دیر کا دربان ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ تو خدا ہوتا
ہوا جب سی یون بی حرم تو غم کیا سرگئی
ہوئی دلت کہ غالب مر گیا پر یاد انا

دو بیا محکمہ ہونی فی ہوتا میں لو گیا ہوتا
ہو گیا اگر صبر اتنی سی تو زانو پر دہرا ہوتا
وہ ہر کی بات پر کہنا کہ یون ہوتا تو کیا ہوتا

کھنڈہ زمین نہیں بیکار باغ کا
بی می کسی سے طاف آشوب گئے
بیل کی کارو بار پر بہن خندہ مای گل
تازہ نہیں ہی نشہ طر سخن ہے
سو بار یہ عشق سی آزاد ہم ہوئی
بی خون دل ہی چشم میں موج نگہ غبار
لے لے شگفتہ تیرا بادل نشاط دل

بیان جاوہ ہی فستل ہی لالی کی داغ کا
کینچا ہی مجھ کو صدفی خط ایام گل
کہتی میں جبکو عشق خصل ہی داغ کا
تراکی قدیم ہون دود چراغ کا
پر کیا کرین کہ دل ہی عہد ہی فراغ کا
یہ سیکہ خراب ہے ہی کی سراغ کا
ابر بہار خنکہ کسلے داغ کا

ده سوی چین چین سی غم نهان سمجها
راز کتوب به بریطی عنوان سمجها

چاک که ناهون من جب کجی کران سمجها
اسقده سنگی اول کیمین ز زنان سمجها
سرخ به هر قطره عرف دیده حیران سمجها
نمبض خستنی شش شعله سوزان سمجها
هر قدم سایه کوین پای شبستان سمجها
دفع بیکان فضا اسقده آسان سمجها
غلطی کن که چو کاره کوسلمان سمجها

کلیف میر نهیب جیقل آینه هنوز
شرح سباب که فارسی خاطر مست پوچه
بنده گمانی فی چنانا اوسی هر کرم خستام
عجزی اپنی یہ جاناکوہ بد خو ہوکا
سفر عشق زمین کی صنعت راحت طلب
تہا کر زبان مرثیہ باری علی نام مرگ
دل دیا جاگی کیوں و سکود فاداس

دل جگر تشنه فریاد آیا
پہر ترا دقت سفر یاد آیا
پہر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
تلا کرنا ہنا حکیر یاد آیا
کیون ترا را حکر یاد آیا

پہر بھی دید ترا یاد آیا
دم لیا تہا نہ قیامت فی ہنوز
سادگی ہای تناسلی
خند و اندکی ای حسرت دل
زخ کی یون ہی کر رہی جانی

کیا ہی صنواں سی لڑائی ہو کے
 آہ وہ جرات نہ یاد کہاں
 پھر تری کو چہ کو جائی خیال
 کوئی دیرانی سی ویرانی ہے
 میں فی محبت پہ لڑکپن میں **اسد**

کہر ترا خلد میں گریا د آیا
 دسی تنگ آئی جگر یاد آیا
 دل کم گشتہ گریا د آیا
 دشت کو دیکھ کی گریا د آیا
 سنگ آہنیا ہتا کہ سر یاد آیا

ہری تاخیر تو کہ باعث تاخیر ہی تھا
 تھی چاہی بھی اپنی تباہی کا گلا
 تو مجھی پہ لگ گیا ہر تو پناستار دون
 خیزد میں ہی تیری وحشی کو ہی زلف کی یاد
 پہل لکے گئی آنکھوں کی آگ تو کیا
 یوسف اسکو کہوں اور کہہ سکے جبر سے
 دیکھ کر غیر کہو کہوں نہ کلیجہ ہنسا
 پیشہ میں عیب نہیں رکھتی نہ فرما دو کو نام
 ہم نہیں مریکو کہری پس نہا نہ ہی

آپ اتنی ہی مگر کوئی عنان کیر ہی تھا
 او میں کہہ شایہ خوبی تعذیر ہی تھا
 کہی فراتک میں تیری کوئی بخیر ہی تھا
 مان کہہ ایک سچ کرانہ ہی بخیر ہی تھا
 بات کرتی کہ میں لبتہ تقریر ہی تھا
 گر بگڑ بھی تو میں لایق تعذیر ہی تھا
 ناکہ کرتا بنا ولی طالب تاثیر ہی تھا
 ہم ہی آشفہ سروخین وہ جو غیر ہی تھا
 آخراوس نہ چکی تر کشمین کوئی تر ہی تھا

بکری بانی بین و تنوکی لکھی پر ناحق
ریختی کی نہیں ہنسا دہنیں ہوتا

آدمی کوئی ہمارا دم بخور رہی تھا
کہنی میں اگلی زانی میں کوئی میری تھا

انجٹ دیشکے مردگان کا
ہم نہا سیدی ہمہ بدگمانے

زیارنگدہ ہوں دل آرزوگان کا
مین دل ہوں فریب غلوڑگان کا

نودوست کو کا بھی سکر ہوا تھا
چوڑا رخ شے کے طبع دست قضا
توفیق یا ناز نہ ہست ہر ازل سے
جب تک نہ کہتا تھا قدر کا عالم
یہ سادہ دل آرزو کی یاری خوش ہوں
دربای محاسنی سنگ آبی سی ہوا
حاری تھی **سہ** داغ جگر سی تحصیل

اور نہ چہ ہی ظلم کہ مجھ پر ہوا تھا
خوشید ہونہ زانو کی برابر ہوا تھا
آنکھوں میں ہی وہ قطرہ کہ گوہر ہوا تھا
مین معتقد فتہ محشر ہوا تھا
بےخی شوق کمر ہوا تھا
میر اسرار میں ہی ایسی تر ہوا تھا
انگدہ جاگیر سمندر ہوا تھا

شکستہ مجلس فروز غلط نامہ حسن تھا

رشتہ ہر شمع خار کوٹھا و خسر تھا

مشبه عشق سی که سبک چو او گیتی بی حیا	کشفه یارب پاک حیرت پا کو سزنا
حاصل الفت ندیکها جز شکست آرزو	دل میل گو یا پوخته کلبه فوسر سنا
کیا بگویم باری علم کی فراغت کا بیاوی	جو که کیا با خون دل بی منت کیو سزنا

آئینہ دیکھ اپنا سامو نہ لیکل پر گمئی	صاحب کے دل ندیخی چکنا عذرت ہوا
فائدہ کو اپنی مانتہ سی کردن نہ مارے	اوسکی خطا نہیں ہی یہ میرا تصور ہوا

عوض نیاز عشق کی قابل نہیں رہا	جبر دل پہناز ہوا بھی وہ دل نہیں رہا
جانا ہوا داغ حیرت ہستی ہی ہوئے	ہوں شمع کشتہ دوزخ محفل نہیں رہا
مر سیکلای دل اوہ ہی تہ سیر کہ مین	سلبان دست و خفوت تل نہیں رہا
بر روی شہریت در آئینہ باز ہے	پہان امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
و اگر دئی مین شوق فی بند فغاب حسن	غیر نگاہ اب کوئی حایل نہیں رہا
گو مین دایر مین سہنہای روزگار	لیکن تری خیال سی عاقل نہیں رہا
دلی ہوا کی کشتہ نا مگلی کہ وہاں	حاصل ہوا ی حیرت حاصل نہیں رہا
بیدا عشق شمع نہیں ورنہ مکر اسد	جبر دل پہنا پیچی وہ دل نہیں رہا

رونگ کناهی که او سکا غیر سبی اخلاص حیف
عقل کینای که او سکا سیمهر کسا آشتنا

گر دشن مجنون بچنگهای لیلیا آشتنا
دژ صحر او سکا و قطره دیا آشتنا
عافیت کا دشمن او را و آو اگی کا آشتنا
میرزا انو مولس او را میزند نیر آشتنا
سگ سار که بر روی پید آشتنا

دژ دژ ساغر میخانه نیرنگ است
شوق ہی سامان تر از نازش ارباب
مین او را یک آفت کا گزافه دل حسی که
سکو سنج رنگت بیکر نه رینا چا
کو کین نفاذ کینشال شیرین تها **است**

نگار قیاس آفرینا جواز دان اپنا
آج ہی ہوا منظور او کو امتحان اپنا
عرش ہی او ہر سونا کا سکی مکان اپنا
باری آشتنا نکلا او نکلا پاسبان اپنا
انگلیان نگار اپنی خامہ نو چنگان اپنا
نگار سحر ہی میری سنگ آستان اپنا
دوست کی شکار ستین منی ہر ملان اپنا

دلاوس بر ہی سکا او پریان اپنا
می وہ کیوں بہت پی بزم غیر من یا
منظر اکشن ہی پراور ہم بنا سکتے
دی وہ جھنڈا آلتیم ہنسی من تابینکے
درد دل کسوں کی نگ جان کو دکھلا دین
کہتے کہتے رت جانا آپ فوج بد
نکاری نہ غازی کر دیا ہی دشمن کو

هم که باکی و دانا هستی کسی من یکم با هستی
 بی سبب بود **غالب** چمن سبزه ای امانا

سره مفت نظر برون مری قیمت پر است
 کز نهی چشم خرد بار به احسان میرا
 خست ناله مجوی کی که سباده افغانم
 تبری چهری بر ظاهر غم نهان میرا

خافم بزم ناز خود آرای ورنه بیان
 بی شانه صبا نهین طره گیاه کا
 بزم قریح می عیش تناسل که که رنگ
 صید ز دام حبسته ای اسرار نگاه کا
 رحمت اگر قبول کری کیا بعید است
 شرمندگی می عذر نگار نگاه کا
 مغش که گرفتار سی جانا بونین که است
 پر کل جنال ز غم نمی درمن نگاه کا
 جان در بهای یک گنگه کم می است
 پروانه می وکیل تری داد خواه کا

لطافت بی کسانه چو پیر اگر بهرین
 چمن رنگه ری آینه باد بهاری کا
 سرایت چشم دیدار بنر خود واری
 چکان فی هر تو باطل می غوی پوری کا

چو رسی باز آئی پر باز آیم کیا
 بختی بین هم شکو و نه و کشتن کسب

<p>رات دن گردش میں ہر بات آسان لاکھ ہوتا وہ سو گم سمجھیں لگاؤ ہولنی کیوں نامہ بر کی ساتھ ساتھ موجِ خونِ سرسی گز رہی کیوں بچا عمر بہرہ دیکھا کیا مرنے کے راہ جو جنتی میں وہ کہ غالب کہن ہے</p>	<p>ہو رہیگا کہہ نہ کہہ کہہ رہا میں کیا جب نہو کہہ ہی تو دہو کا کہا میں کیا یارب اپنی خط کو ہم پہنچا میں کیا آسمان یارسی اوٹھ جا میں کیا مر گئی پروکھنی دیکھلا میں کیا کوئی تبتلا و کہ ہم مبتلا میں کیا</p>
---	---

<p>عشرتِ قطری ہی دیا میں فنا ہو جانا تجھے جسے جن مری صورتِ قضا بچہ دل پہ انگشتِ خارِ زحمت میں تمام اچھا ہی بھی میں مجھ ہم امشد اللہ ضعف سی کر یہ بدل بدمسرد ہوا دلی مشائرتی گشتِ فضا کا خیال ہی بھی اب رہا رہی کا برس کر گھٹنا کہ نہیں گشتِ گل کو تری کوچی کی پر</p>	<p>وہ کا حد ہی گز رہا ہی دوا ہو جانا ہنا لکھا بات کے بنی ہی جدا ہو جانا مٹ گیا کہنے میں ہر حصہ کا دوا ہو جانا اس قدر شرمِ اربابِ فضا ہو جانا باور آیا نہیں پانی کا ہوا ہو جانا ہو گیا گوشت ہی ناضج کا جدا ہو جانا بروقی روتی غمِ فرقت میں فضا ہو جانا کیوں ہی گرد و جلالِ صبا ہو جانا</p>
---	--

بخشنه بی طوطی کل ذوق تماشا غالب
ناله تیر پر کبلی اعجاز هوای صیفیل

چشم کو پایی هر رنگ مین ابرو بانا
دیکه برسات مین سبز آینه کا پروانا

بهر هوا وقت که هوا بال کش موج شراب
پوچست چه سستی ارباب چمن
جو هوا غرقه می بخت و سار که کشا
بی سیرانه و موم که عجب کجا بی اگر
چار موج اشتهای طوطی طرب سی هر
جغد و موج غنای بی جگر نشسته ناز
بکود و زنی بی رنگ مین خون پرو که
موج گل بی چرخان بی کرگاه خیال
نشسته کی پروه مین بی خوشنای دماغ
اکتایلم بریندو خانی کیفیت فصل
شیخ شکرانه مستی بی نه بی موم گل
پوشش او شرفی مین مری جلوه کل دیکه

دی بطی کو دل در دست شامیج شراب
سایه ناکین جوی بی هوا موج شراب
سری گزی چه بی بی بال موم شراب
موج بی کو کزی مین هوا موج شراب
موج کل موج شفق موج صبا موج شراب
دی بی سکین بدام آب بیا موج شراب
شبه پر رنگ بی بال کش موج شراب
بی تصور مین در بسط و غام موج شراب
بکود که بی بی سر نشسته و غام موج شراب
موج سبز و نو خیزی نا موج شراب
رهم و قطره بد بای بی خوشاموج شراب
بهر هوا وقت که هوا بال کش موج شراب

فوسر که دندان کا کبارزق ملک
جن لوگو کلی ہی در غرضه گهر انگشت

خالی جی دیکسلکی بوقت سفر است
تا که نسکی کوئی مری حوت پر است

کافی بی نشانی ترا چلی کا ندینا
گفت ہوں **سہ** سوزش دل سی سخن کرم

پہر ملک و نہ مر تابی حضرت سلامت
کلی ہی خداوند نعمت سلامت
مبارک مبارک سلامت سلامت
نماشی نیز یک صورت سلامت

رنگ کوئی نایاب است سلامت
جگر کو مری عشق خونا پر شرب
علی الرغم دشمن شہید و خاہون
ہنر گرو برگ در اک مضمی

یار لای مری بالین پادوسی پر کوفت

منہ کنین کوئی ہی کوئی کلین **غنا**

دو دھج گشتہ تہا شاید خط خیار دو
کون لاسکتا ہی تاب جلوہ دیدار دو
صورت نقش فرم ہوں خستہ قرار دو

آہ خطی ہوا ہی ہر دو بازار دو
ایدا نا غایت اندیش ضبط شوق کہ
خانہ ویرانی جرت نماشا کبھی

کشته و خون چون آفر که چنانجا دارد و	عشق من بیداد شکستنی نیاید بجو
دیده پر خون هزار ساغر سرشار و	چشم بارش که اوس سید پرکاو و لشاد
بی تکلف دست چوبی کنی غمخوار و	غیر لون کرناهی مبری سپرش او کی جز
محمود دنیا بی پیام و عده دیدار و	تا که من جانفرو کی بی اسکی سانی و خان
سرکری بی ده حدیث زلف عزیز و	جک من کرناهیون اپنا سگوه ضعیف و مانع
هینکه کرناهی بیان شوخی گفتار و	چک چکی محک و رقی دیکه باتاهی اگر
یا بیان کچی سپاس لذت ازارد و	مهر بر اینهای دشمن کی شکایت کچی
بی ردیف شعر من غالب در نگار و	بی غزل انی محبی جی بی سندی بی آب

فرنگی طوق حلقه سیر و در بی آج	کفن من بندوبست بنگ کر بی آج
تا نفس کند سکارا شری آج	آناهی ایام پنه دل بر فغانکی ساهنه
سبلا بگرید پی دوباره در بی آج	ای عافیت کناره کرای انتظام حل

اچا اگر نه تو مسجحا کبا علاج	لوح مرعین عشق کی جیاد و درین
------------------------------	------------------------------

لفش انجمن آرزوی باهر کینچ
کمال گرمی سسی تلاش دید نوچه
تجی بانه راحت هی انتظار ایدل
تری طرف هی هجرت نظامه گرس
به نیم غمزه ادا اگر حق و دلیت ناز
مری قلع مین هی صبا ی آتش نایان

اگر شراب نهد انتظار ساغر کینچ
بزرگ غلامی یانخی سی جو کینچ
کیا هی کسنی اشاک ناز لبتر کینچ
بکوریان چشم رقیب ساغر کینچ
نیام برده زخم جگر سی خج کینچ
بروی سفره کباب ل سمند کینچ

حسن کج کی کشاکش سی چشامیری بعد
منصب شغلی کی کونی قتل نرغ
شمع بختی هی قواد حسین سی استوان و نسا
خون هی دل خلکین احوال نایان پر بیضی
در خور عرض نین جو هر بیداد کو جا
هی خون اهل جنون کی لئی آغوش و دوا
کون یونای حریف می مردانگر عشق
غم سی مرناهن کاتانین دنیا مین کوشی

باری نام سی مین اهل خفا میری بعد
هوی مغزولی انداز و ادا میری بعد
شعله عشق سی پیش هوا میری بعد
انگی تافن هی محتاج خفا میری بعد
نگه ناز هی سر می سی خفا میری بعد
چاک یونای گریه بانی جد امیری بعد
هی کر اسبانی مین صلا میری بعد
که کری تویت مهر و وفا میری بعد

آئی ہی یکسی عشق پر روزِ غالب

کسکی گھر جاگیا سیلابِ ثانی

بلاسی مین جو پیش نظر درو دیوار
و ذرا لکے کا شانہ گلیا پنگ

نکاح شوق کہ مین بال پر درو دیوار
کہ ہو گئی مری دیوار درو دیوار

بنین ہی سایہ کہ سکر نوید مقدم بار
ہوئی ہی کھنڈار زانی می جلوہ

کئی مین چند قدم پیشتر درو دیوار
کہ مست ہی تری کو پی مین ہر دو دیوار

جمی تھی پرو دای انتظار تو آ

کہ مین دکان متاع نظر درو دیوار

ہجم کر یہ کاسا مین کب کیا مینی

کہ گھر پڑی نہ مری پانو پر درو دیوار

و مار مار مینی پان تو سائی سے

ہوئی خدادرو دیوار پر درو دیوار

نظر مین کسکی ہی بن تری گھر کی آباد

ہمیشہ روتی مین ہم دیکھ کر درو دیوار

نہوچہ خودی عیش مقدم سیلاب

کہ ناچتی مین پڑی لہر درو دیوار

نہ کہ کسی کہ غالب بنین زمانی مین

حریف راز محبت کر درو دیوار

گھر بے بالیا تری در پڑی غیب

جاگتا ایسے تونہ مرا گھر کی بغیر

کہتی مین جب ہی نہ بچھاقت سخن

جانوں کسی کی دلکی مین کو کر گھر کی بغیر

کام اوس سی پڑای کہ جسکا چین
 جی مین ہی کہہ چین ہی جا سکی کہ نہ ہم
 جوڑو نکامین شادوست کاڑکا پوجا
 مقصد ہی ناز و غمزہ و کی اٹکو مین کام
 ہر چند ہوشا دہتی کی گفتگو
 ہر ایمون مین تو چاہی دونا ہوا تھا
بنالہ سکو حضور مین تو بار بار عرض

کیوی کوئی نام سکر کہی بغیر
 سیر جای یار ہی نہ رہن پر کہی بغیر
 چوڑی خلق کو بھی کافر کہی بغیر
 جلتا نہیں ہی شہنہ و خنجر کہی بغیر
 مٹی نہیں ہی بادہ و ساع کہی بغیر
 سنا نہیں ہون بابت مکر کہی بغیر
 ظاہر ہی تیرا حال سب نہ کہی بغیر

کیون جل گیا نہ تاب رخ یار و یکہ کہ
 آتش سست کہتی مین اہل جان بھی
 کیا آبروی عشق جان عام ہو جفا
 آنا ہی میری فصل کو پر جوش شکست
 ثابت ہوا ہی گردن مینا پہ خون غلغ
 دھڑکا کہ یار کی کہنچا ستم ہی بات
 یک جانی مین ہم آہنچ سجن کی ساہ

جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکہ کہ
 سرگرم نالہ ڈی شہر بار دیکہ کہ
 رکتا ہوں تنکو بی سبب آزار دیکہ کہ
 مرنا ہوں اوسکی ٹانہ مین تھار دیکہ کہ
 لرزی ہی ہر جی تر ہی فدا دیکہ کہ
 جھکوہیں لذت آزار دیکہ کہ
 لیکن عیار طبع حسد دیدار دیکہ کہ

زار باندہ سجہ صد دانہ نور دال
ان آبلوں سی پانوں کی گہیر گیا ہتا میں
کیا بگمان ہی محسوس کہ امینہ میں سر
کرتی تھی ہم پر برق تجلی نہ طور پر
سر ہونہ ناوہ **غالب** شوریہ حال کا

رہر و چلی ہی راہ کو ہموار دیکھ کر
جی خوش ہوا ہی راہ کو پر خاؤ دیکھ کر
طوطی کا عکس سمجھی ہی نہ نگار دیکھ کر
دو تہی میں پاؤں طرف قطع خوار دیکھ کر
یاد آگیا بھی تری دیوار دیکھ کر

ہی سبک پر لکھنے کی شاید میر نشان اور
یار رب نہ سمجھی میں نہ جھنگلی مری با
ابر و سی ہی کیا اوس گہہ ناز کو پیوند
تم شہر میں ہو تو میں کیا غم جاؤں ہینگے
ہر خند سبکست ہوئی بے شکنی میں
ہی خون جگر جو ش میں دل کو ہلکی سوتا
مرا ہوں اس آواز پہ چند سراور جا
لو کو کوئی خورشید جانا سبکد ہو گا
لبانہ اگر دل تہیں دینا کوئی ہم میں

کرتی میر محبت تو گزرتا ہی گمان اور
دی او دل او کو جو نہ دی بجو زبان اور
ہی نہ ستر گرا سکی ہی گمان اور
لی آئینگی بازار سی جا کر دلو جان اور
ہم میں تو ابھی آہ میں ہی سنگ ان اور
ہوتی جو کئی دیدہ خوانہ نشان اور
جلاد کو لیکن وہ کہی جانے کی جان اور
ہر روز دیکھتا ہوں میں ایک طالع نشان اور
کرتا جو نہ مرنے کوئی دل آہ و فغان اور

پانی نہیں چاہے تو چہ جاتی ہیں تالی	کتنی ہی مری طبع تو ہوتی روان اور
ہیں اور یہی دنیا میں بخور بہت اچھی	کہتی ہیں کہ غالب کا ہی انداز بیان اور

لڑنا ہی مزا دل رحمت بہرہ درخشان پر	مین ہوا ہ قطرہ شبنم کہ خواہ بابل پر
چھوڑی حضرت یوسف نے یہاں گناہ آرا	سفیدی بدہ یعقوب کے پہنی ہی زبان پر
فنا تعلیم و سرخجہ دی چون در زانی سے	کہ مجنون الف کہتا تھا دیوار و سنان پر
فرغت کس قدر ہستی مجھی شیش مہم سے	ہم کہ صلح کرتی پاؤں دل مکد ان پر
نہیں ان ظلم الفت میں کوئی طواریاں لایا	کہ پشت چشم سی جکی بنودی مہر خوان پر
مجھی اب کبیرا بر شفق آلودہ یاد آیا	کہ وقت میں تری آتش برستی گلی گلستان پر
بجز پر داز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا	قیامت ایک مہ ائی تنہی خاک شہیدان پر
نہ نہ صبح سی غالب کیا ہوگا رومی شدت کے	ہمارے ہی تو آخر زور چلتا ہی گریبان پر

صفائی حیرت آئینہ ہی سامان رنگ اسے آخر	تغیر آب بر جامانہ کا پامانی رنگ آخر
اسکی سامان شیش چاہے فی تہ بہرہ درخت کے	ہو احجام زمرہ ہی بھی داغ پلنگ آخر

لازم تھا کہ دیکھو سر راستا کوئی دن اور
 منہ جلیکا سر گر تر ایشہ نہ گہ بیک
 آئی بیکل اور آج ہی کہتی ہو کہ جاؤں
 جانی ہوئی کہتی ہو قیامت کو بیٹنگلی
 خان ای ملک ہے جوان تباہی عار
 تر باد شہ چاہد ہم ہی مری گھر کے
 ہم کو نشی ہی ایسی کہی دادہ سہند
 بھسی ہمیں نفرت ہی تیر ہی لرا
 گزری شہ حال بیت خوش ناخوش
 نادان ہو جو کہتی ہو کہ جو جینی **برن غا**

تہا گئی کیوں اب ہو تہا کوئی دن اور
 ہوں در پہ تری ناصیہ سا کوئی دن اور
 اما کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 کیا خوبیاں تہا ہی گو یا کوئی دن اور
 کیا تیرا گزرا نا جو نہ مرنا کوئی دن اور
 ہر کیوں نہ گاہ کہ کا وہ نقشا کوئی دن اور
 کرنا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
 بچو تہا ہی دیکھنا نہ تہا سا کوئی دن اور
 کرنا تہا جو ترک گزارا کوئی دن اور
 قسمت میں ہی مر تکی تہا کوئی دن اور

جونی دستگیری کس بھی کر ہو نہ عیا
 بزرگ کا نہ آتش نہ وہ نیرنگ مینا
 فلک سی ہو عیش نہ کا کیا کیا تقاضا
 ہم ادوہن سبب پنج نشا و ہمیں کہ گستا

گر باں خاک حق ہو گیا ہی مری گردن پر
 ہزار امینہ دلانی ہی بال ایک شہین پر
 منع پردہ کو سمجھی ہوئی میں قرض ہزن پر
 شعلہ مہر تہا تہا کئی چشم روشن پر

فراکش و پیکر شقایق بی غمی غمت کجا	فروغ طلوع خاشاک است موقوف گلشن بر
سدر بلبل بی کس انداخته غافل کیست با	که مشق ناز کر خون و عالم میرد گردن بر

سگش مطهر است بر کنج یار تجوید پادشاهی	لکنت بر طرف مجاریک تجار قیب آخر
---------------------------------------	---------------------------------

فراخ بھی بچکان کج ماند صبح و عصر	بی دماغ عشق زینست چو پیکر بنه ز
بی ناز مطلقان ز راز دست رفته بر	هون کلف و دشمنی دماغ کهن بنه ز
میخانه جگر من بهار ناک است نهین	حمیازده کمینچی بی بیت بیداد فر بنه ز

حریف طلب مشکل نهین فروان نیاز	و عاقبت بر یارب که عمر خضر و راز
نهو به روزه بیابان نوزدهم وجود	هنوز تیری تصویر من نشیب فراز
وصلان جلوه نشاهی پر دماغ کیهان	که دخی آینه انتظار کو پر دواز
هر که فتنه عاشق بی آفتاب پست	کمی نه خاک معنی پر هوای طبله ناز

نه پوچه دست میخانه چون غالب	جهان بیکاست گردون هیال که خاک انداز
-----------------------------	-------------------------------------

و صفت می کردم بیکدیگر که نثار خاک
یکدیگر کاغذ آتش زده ای صفحه داشت

گری ای ایله با بر کمر بار هنوز
نفسش با من ای تنگ می رفتار هنوز

نه گل نغمه چون نه پرده ساز
تو ادر آرایش حسم کا کل
لافت بنگین غریب سادده دل
هون گرفتار الفت صبیاد
و ده بی دین بود او من سگرمه
بنین و لبین مری و ده قطره خون
ای ترا غمزه یک قلم انگبینه
تو هوا جلوه گرم بارک هو
مخکو بو چها تو کچه غضب نهوا
اسد اسد خان مقام هوا

مین هون با نچی شکست کی آواز
مین او را غلبه غای دور دراز
هم مین او را ز غای سینه کداز
ورنه باقی ای طاقت پرواز
تازان کین چون بجای حسرت ناز
جسک مرگان هونی نهو کلباز
ای ترا ظلم سر بر انداز
ریشش سجده جبین نیاز
مین غریب او تو غریب نواز
ای در بغاوه رند شاهد باز

مژده ای ذوق اسیری که نظر آناهی

دام خالی نفس مرغ گرفتار کی پاس

جی خون یعنی بهای بن هر خاکسار	بگر نشنه آزار ناله بنوا
خوبت ای تم عاشق بیمار کی پاس	منه گین کولنی ہی کولنی انگین ہی
دشنامک تیر سا ہوتا مری غمخوار کی پاس	مین ہی کر کے غمنا جو زبان کی ملی
نہ کہری ہو جی خوبان دل آزار کی پاس	دہر شہر مین جا بیٹھی لیکن ای دل
خود بخود پہنچی ہی گل گشتہ دستار کی پاس	دکھ کر کھنکھو مین بسکہ غم کرتا ہے
میشنا او سکا وہ اگر تری یواہر کی پاس	مر گیا ہون کی سر غالب جھنشی ہی آ

نگار غی غنائین مین روی نگار نش	نیدی کفر ح پر طراوت بزم خطای
زنگلی شمع کی پاسی نکالی گزہ خار نش	فروع حسن ہونہی جل مشکل عاشق

چرخ واکر تابی باہ نویں خوش و داع	جادہ رنہ خور کو وقت شام ہی تار شعاع
----------------------------------	-------------------------------------

ہوی ہی انش کل آب نہکانی شمع	سرخ نگار سی ہی سوز جادوانی شمع
یہ بات بزم مین نشون ہوی زبان شمع	زبان اعل زبانین ہی مرگ خاموشی
بطور اہل فانی فسانہ خوانی شمع	کری ہی حرف با یابی شلو قصہ تمام

غم سگسخت پر دانه کا ہی ای شعلہ	تری لرزنی سی طہری نانوئی شمع
تری خیال سی روح ابتلا کرتی ہے	پر جلوہ ریزی باد و بہر فشان شمع
نشا طواع غم عشق کی بہار نوجہ	سکھنے کی شید کل خزان شمع
جلی ہی کیسکی بالین یار پر جھکو	مکیون ہو دل چ مری داغ گمان شمع

بیم قیاس نہیں کرتی و داغ ہوش	مجھ پر سناٹک کی ای اضیاء حیف
جلتا ہی دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل	ای نامانی نفس شعلہ بار حیف

زخم پر چہرین کہان طوفان پیر پنا	کیا نہ ہوتا اگر پتھر میں ہی ہوتا ناک
گرد راہ یار ہی سامان ناز زخم دل	ورنہ ہوتا ہی جہانیں کس قدر پنا
جھگڑائی رہی جھگو مبارک ہو جو	انالہ جھگو درد او خندہ گلو کا ناک
شور جان ہانکا ر بھر پر ککا کہ آج	گرد حاصل ہی بزخم موجد یا ناک
داد و دینا ہی مری زخم جگر کی داغ آہ	یاد کرتا ہی مجھی دیکھی ہی وہ جھگو
چوڑ کر جانان مرجع عاشق جیت ہے	دل طلب کرتا ہی زخم او را کی میں پنا
عیر کی منت کچھ نہ گنا بی تو فیرو رو	زخم مثل خندہ قاتل ہی سرتا یا ناک

یاد دین **غالب** تجھی دکنی وجد و دین

زخم سی کرنا تو میں بلکو نہی چاہتا



آہ کر چاہی اکبر اثر ہوتی تک

کون چاہی تری لکڑی سر ہوتی تک

دام بر جو جین ہی حلقہ شکستہ سنگ

دیکھیں کیا گزری ہی خطری کمر ہوتی تک

عاشقی سر طلبہ اور نہایت

دلکا کیا رنگ کے من جان جگر ہوتی تک

بہی مانا کہ تغافل نہ کر دگی لیکن

خاک ہو جائیگی ہم نگر خبر ہوتی تک

ہر تو خوسر ہی شبنم کو خاک کی تسلیم

میں بھی ہوں ایک عینیک نظر ہوتی تک

کھنڈر میں نہیں فرصت ہی غالب

کرمی ہر گھمبک ضرر ہوتی تک

غم ہستی کا **سکس** ہی ہو کر گشت

شع ہر سنگ عین غلبی ہی سحر ہوتی تک



کر نگاہ ہی یقین اجابت دعا مانگ

یعنی بغیر کیدل جید دعا مانگ

آنا ہی آغ و گلستا رنگ کا شمار یاد

مجھ ہی مری کہ کا صاحب نجد ہوتی تک



ہی کشتہ ہلاکت فریب و فانی گل

بیل کی کار و بار پہ چہن خدای گل

آواز ہی شبنم مبارک کہ ہر طرف

توئی چھٹی میں حلقہ دام ہوا ہی گل

جوتہا سو موج رنگ کے دہو کہیں گیا
خوش حال اور حریف مسیت کا کہ جو
ایجاد کرتی ہی اسی تیری لہی بہار
شرمندہ رہ گئی مین بھی باد بہار کے
سلطنت سی تیری جلوہ حسن غور کے
تیری ہی جلوہ کا ہی یہ ہرکا کہ آج تک
غالب مجھ کو اسی ہی ہم آغوشی آرزو

ایں ہی نال لب خوانین نواہی گل
رہتا ہو مثل سایہ گل میر ہای گل
میرا قیہ ہے نفس عطر سای گل
مینا ہی بی شراب دل بی ہوا ہی گل
خون ہی مری نگاہ مین مذکوری گل
بی اختیار و شری ہی گل در قفا ہی گل
جھکا خیال ہی گل جب قبا ہی گل

غم نہیں ہوتا ہی آزاد کو بیش از یک
مختلین ہم کری ہی کھنجر بار خیال
باد جو دیکھ جاں بنگامہ پیدا ہی نہیں
ضعف ہی ہی فی قافہ سی یزید کی سحر
دایم محسوس مین لاکھوں قنائین **اس**

برق ہی کرتی ہی شون شعاع غم خانہ ہم
مین وصف کردانی نینک ایک تنہا ہم
مین چراغان شبستان ل پروانہ ہم
مین بال کنگارہ ہمت مردانہ ہم
جانی میر کہ نہ ہوں کو زنا خانہ ہم

بناد حاصل دیکھ کے فراہم کر

مناع خانہ زنجیر جڑ صدا معلوم

مجلوہ یا غیر میں مارا وطن کسی دور
کہہ لی مری خدائی مری ہر کسی شرم

وہ حلقہ ہائی نصرت کین میں ہر ادا
کہہ لی جو میری عویں اس گلی کی شرم

لوں دام تخت خفتی کنواخت شولی
غالب یہ خوف ہی کہان سی ادھر

وہ فراق اور وہ وصال کہان	وہ شب و روز وہ سال کہان
فرسکار و بار شوق کے	دفع نظر و جمال کہان
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا	شور و دای خط و خالی کہان
بتی وہ اک شہر کے تصور کے	اب وہ رعنائی خیال کہان
ایسا آسان نہیں ہو رہا	دل میں طاقت جگر میں حال کہان
ہمسی چوٹا قمار خانہ عشق	وطن جو بادین گرہ میں ٹال کہان
خردنیا میں سر کہپاتا ہوں	میں کہان اور یہ وہ بال کہان

مستعمل ہو گئی فوا **غالب**
وہ عناصر میں عتدال کہان

آبرو کیا خاک سر گللی گلشن میں نہیں
 ضعف ہی کی گر کہ بھٹتی مری تر نہیں
 ہوئی میں جمع اجڑی نگاہ آفتاب
 کیا کہوں کی زندان غم اندر میرا ہے
 رون بستی ہی غنچه دیران ساز سے
 زخم سلوانی سی مجھ پر چاہے جو بیکار ہی
 لیکہ میں ہم اکابر ناز کی ماری ہو
 فخر و طرد اک میل ہی نہی ناسو کیا
 لی کی ساتی کی نخوت فخر آشی سر
 ہوش ضعف میں کیا ناتوانی کی نود

ہی کی ریاں شک ہے ہر جہ میں میں نہیں
 ننگ کھ کر اور کیا جو خون کہہ میں میں نہیں
 ذرا ہو سکی گہر کی دیوار کئی روز نہیں
 پسہ بوجھ ہی کم جسکی ہوزن میں نہیں
 انجن بی شمع ہی کر برق خرم میں نہیں
 غیر سجھا ہی کہ لذت شخم ہوزن میں نہیں
 جلوہ گل کی سوا گرد اپنی مدفن میں نہیں
 خون ہی ذوق درد سی فراع مری نہیں
 موج ہی کی آج رگ صیبا کی گردن میں نہیں
 خدا کی جھکائی کی ہی گنجائش مری نہیں

ہی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
 بی نکلت ہو وہ شست جس گلشن میں نہیں



عبدیسی مرغ ناز کی باہر نہ آسکا
 حلقے میں چشم ہای کشدہ بسوی دل
 میں او صد ہزار نوا سی جگر خراش

کر ایک ادھو تو ادھی اپنی قصا کہوں
 ہر تار زلف کو گمہ سر رسا کہوں
 تو اور ایک نشین کن کیا کہوں

ظالم مری گمانی بھی متفضل نہ پاوے
ہی ہی خدا کرۂ بختی ہو خاک ہون

کلی و غامسی تو غیر اسکو جانا کہنی ہین
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اون سے
اکلی وقت کی ہین۔ لوگ اسنہن کچھ نہ
ولین آجائی ہی ہوتی ہی جو نہ شش
ہی ہی ہر خدا اور کسی اپنا سمجھو
ہای انگارہ چپے بختی رحمت آگاہ
اکثر ولین ہی اوس کی کی کہ بڑا گیا
دیکھنی لاتی ہی شش خلی تخت کیا رنگ
وخت شیفہ اب نہ کیا ہون شایہ

ہوتی آئی ہی کہ اچھو کو بر اکہنی ہین
کہنی جانی تو ہین پر دیکھنی کیا کہنی ہین
جو ہی و نگر کو اندوہ رہا کہنی ہین
اور بہ کونسی نالی کو رہا کہنی ہین
قلب کو اہل نظر قبلہ نا کہنی ہین
عارفہ کو نری ہم مہر کیا کہنی ہین
اگ مطلوب ہے چکو جو ہو کہنی ہین
اوسکی ہر بات پر ہم نام خدا کہنی ہین
مہر کیا **غالب** اشفتہ نوا کہنی ہین

ہم کسی جا و بوقت ہی پرستی اکیہن
غورہ امج بنای عالم امکان ہو
دوسرے بنی ہی لیکن سمجھنی نہی نہی

ورنہ ہم ہر جگہ کی کہہ کر عذر مستی اکیہن
اس سبب کی نصیب نہیں ہی پرستی اکیہن
رنگ لاؤگی جاسی فائدہ مستی اکیہن

تغذای غم که بی ابد غنیمت جانست
دوهره تپا اوس پانا از کاشیده این

بی صد اهو جایگاه ساز هستی اگر کن
همی کریشی بی **غالب** شده هستی اگر کن

مهربان بودی بلالو محی جا هر حرف
منصف من ملو اغیار کا شکو اکیا

مین کیا وقت نہیں ہوں کہ ہر آہی شکون
بات پکیر مر تو نہیں ہی کا وٹا ہبی شکون
کیا قسم ہی تری مٹی کی کر کہا ہبی شکون

ہم چہ جیاسی ترک فاکا کمان نہیں
کرم نہ ہی شکر کجی اس لطیف خاص کا
ہم کو تم عزیز شکر کو ہم عزیز
بوسہ نہیں نہ بجی دشنام ہی ہے
ہر چند جاگدازی قدر و عتاب ہے
جان مطرب انہ طبل من مزید ہے
خجرتی چیر سید اگر دل نہ بود و نیم
ہی ناک سید دل اگر آتشکدہ نہو

اک پشیم ہی و کر نہ مراد امتحان نہیں
پر شری اور پاپی سخن در میان نہیں
نامہربان نہیں ہی اگر مہربان نہیں
آخر زبان تو کہہتی ہو تم گرد مان نہیں
ہر چند شکر می تاب تو ان نہیں
لب پر دوشخ زمرہ الامان نہیں
دلین جری جہودہ گر خوشچکان نہیں
ہی عار دل نفس اگر آذر فغان نہیں

نفسان نهین خیزین ایسی ہو گھر خزا
کہتی ہو کیا لکھا ہی تری سر نوشت
باتا ہوں اور سنی داد کچھ اپنی کلام کے
جان ہی بہای بوسہ لی کیوں کہی

سو کر زمین کی جلی بیا بان کران نہیں
گو یا جین پہ سجدہ بت کا نشان نہیں
روح القدس اگرچہ مرا ہنر بان نہیں
غالب کو جاسا ہی کہ وہ نیم جان نہیں

مانع دشت نوردی کوئی تیر سیر نہیں
شوق اور دشت میں دہلی ہی بلکہ کربلا
حریت لذت آزار رہی جانی ہی
ریخ نو مبدی جاوید گو ارار ہو
سیر کجایا ہی جان زخم سراہا ہو جا
جب کرم خست بیباکی گستاخی د
غالب اپنا یہ غصہ ہی بقول مانع

ایک چکر ہی مری پاؤں زنجیر نہیں
جادو غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں
جادو راہ و فاجہ دم شمشیر نہیں
خوش ہوں کر نالہ زبونی کشتا نہیں
لذت سنگت اندازہ تقریر نہیں
کوئی تقصیر بخیر خجست تقصیر نہیں
آپ بابرہ جو معتقد میر نہیں

عشق نامیر سی نو مبدی نہیں
سلطنت دست پرست آئی ہے

جان سپاری شجر سید نہیں
جام می خاتم مجسمہ نہیں

ای بختی تری سامان وجود	درد بی پروا خوشید نهین
راز معشوق نه رسوا هو جا	درد مر جانی من کچه بسید نهین
گردش رنگ طرب سی دُری	غم محرومی جا وید نهین
کستی من جستی من امید به لوک	هملو جستی کی بی امید نهین

من مردک به دین مجبور لکا بهین	من جمع سربای دل جستم من اهرین
-------------------------------	-------------------------------

بر شکل کز به عاشق بی و کیمیا جا	کس کس کی مانند کل سو جاسی دیوار چمن
الف گل سی غلطی دوی وار	سرو بی با صفت آذادی گرفتار چمن

ملتی بی دوی یار سی نار التهاب من	کافر بون کر غلنی هو رحت عذاب من
کس بون کیا بنا و ن جان خراب من	شبهای چکر کو بی کرم کل کرباب من
تا پیر استخار من نیند آئی عسیر	ایکجا عید کر گئی آئی جو خواب من
فاصله کالی آئی خط اکثرت لکیده بون	من جانتا بون جوده کلینکله جواب من
مجموعه کالی بزم من آتا تها دور حرام	ساقی فی کوبه طانیا بهر شراب من

جو مکر و خاہو فریب سپہ کیا چلے
 میں مضطرب ہوں وصلین خوف قریب سے
 مرا و خط و وصل خدا ساز بات ہے
 ہی توری چڑی ہوئی اندر نقاب کے
 لاکھوں لگا دیا ایک جنا گناہ کا
 وہ نالہ دلیں جس کے برابر جگہ نہ پاس
 وہ سحر و جادو میں نہ کام آئے
ناب چشتہ شراب پر اب پہنچے کہیں

کیوں مکیان ہوں دوست دشمن کی پاب
 والا ہی تکر و ہم فی کس سچ و تاب میں
 جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہی لک لک کن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
 لاکھوں بنا طایک بکرا نقاب میں
 جس نالہ سی شکاف پڑی نقاب میں
 جس سحر سی مغنیہ روان ہر راب میں
 چتا ہوں نذر اب و شب نقاب میں

کل کی اسی کراچ نہ خست شراب میں
 میں آج کیوں دلیل کہ کل گت بھی پسند
 جان کیوں نکلی گئی ہی ترن ہی دم سنا
 روم میں ہی خورشید کیوں دیکھتی تہی
 اوتار ہی جگر اپنی حقیقت سی بعد
 اصل نہو دشا ہو شہو دیا یک

یہ وطن ہی ساقی کوثر کی باب میں
 گستاخی فرشتہ جاری جناب میں
 گروہ و صمد اسمائی ہی چنگ باب میں
 فی طہ بیاک پہری نہ پای کراب میں
 جتنا کہ وہم غیری ہوں چو تاب میں
 جزا ہوں پھر شاہد ہی کھل باب میں

بی شغل خود هنوز پر دود و دگر
 شرم امیکدای ناز می پانی بی سستی
 آرایش حال سی قایق بنین هنوز
 بی غریب جگر چینی من هم شهود
 غالب بنده مست آنی بی بوی دوست

بهمان کید هر ای قطره و موج حجاب
 من کسوفی حجاب که من یون حجاب
 پیش نظری آینه دایم نقاب من
 من خوابین هنوز جو جاک می خراب
 مشغول حق چون بنگی بو تراب من

حیران چون دگر و دگر که پیشوی جگر کوین
 چو زانه شکسته کتری که کا نام لون
 جانان بر آفتاب که در پندار بار
 می کیا جگر کی پانته می مری ملا در
 کوه بی کندی من که بی رنگ و نام
 چلتا بودن نوزی دور بر یک تیر و کی
 خواش کس احمقونی پستش دیا قرار
 پیر خدی من بیول گیاره کوی نام
 اپنی هر که را بودن خیاس ابل و هر کا

مضطرب بود تو ساهند کوی من
 هر یک سی بو چنان بود که جا و کوی من
 ای کاش جانان تری دگر کو من
 کیا جانان بنین بودن تهماری کوی من
 یہ جانان اگر تو نشانه کهر کو من
 پیمان بنین بودن ابی دگر کو من
 کیا بو چنان بودن دست بیدار کو من
 جانان اگر نه امیکون اپنی خبر کو من
 سمجها بودن دلنیز بر مناع هنر کو من

غالب خداگری که سوار سمنه ناز

کر که چون علی بباد عالی گهر کوین

چنان زلفش قدم دیکهتی بین
حل آشفگان خال کنج دهن که
تری سرو قامت سی پیک فدا دم
تماشا که ای عو آینه دار
سرخ لعل ناله لی داغ دل
بنا کر فضا و لکاهم بهر سیر **غالب**

خیابان خیابان ارم دیکهتی بین
سو بد این سیر عدم دیکهتی بین
قیامت کی فتنه کو کم دیکهتی بین
نخچی کسرتنای هم دیکهتی بین
که شیر و کافش قدم دیکهتی بین
نماشای ابل کرم دیکهتی بین

دگر مبادی بیجا و سی منظور بین
وعدۀ میگرددان بی خوش طالع
شا بهستی مطلق کی کر ہی عالم
قطره آبی حقیقت بین ہی دریا بکن
حسرتی ذوق خرابی که طاق تر
مین جو کسنا هر که هم لنگی قیامت بین

غیر کی بات بگر عای تو که در بین
مژده فضل مقدس جود کور بین
تو که کیتی بین که ہی بر همین منظور بین
همو نظریه شگرفی منصور بین
عشق پر عده کی گون من رنجور بین
کس عونت سی ده کیتی بین که هم جور بین

حاکم کر ظلم اگر لطف در رخ آنا ره
صاف کشی شش پانه چم من هم کو
مردن ظهوری که مضاغیل من خضای **نظام**

نواخل من کورنگ کس خور
وای و باد که افشوده انگور نهین
میرغی می پدید حجت بی که مشهور

ناله جز طلب ای سم آید نهین
عشق و غم دور عشر که خبر دیکه خوب
کم نهین به بی خرابی من پیوست علوم
اول پیش که بی طوفان حوادث کتب
وای مردی تسلیم و با حال وفا
که تکیه گل و لاله پریشان کیون آ
سبب گل کی تکی بندگی ای گلچین
فغنی سی کرتی بی ثبات تراوش گویا
کم نهین جلوه که عین شری که چندی

ای نواخل جفا شکوید بیداد نهین
بکوت سلیم شو نامی فشراد نهین
دشت من بجای ده عشق که مراد نهین
لطیف من کج از سیلی استاد نهین
جاننا بی که همین طاقت فرایاد نهین
گرچه اغان سر بگزریاد نهین
مژده ای مرغ که گلزار من صبا نهین
دی بی جای من او سکودم اسجاد نهین
بی نقش بی موی بقدر آباد نهین

کرتی کرم نهی بو غربت کی شکایت **نظام**
نگو جهری باران وطن یاد نهین

دو دن جهان کی وہ بھی خیر نہ بنا تہا تک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے کیا شمع کی نہیں ہیں ہوا خواہ اہل نرم	ہیاں اپنی پیری پیرم کہ کڑا کر کیا کرین نہا پتا نہا سُن تو ناچار کیا کرین ہو غم ہی جاگداز تو غمخوار کیا کرین
---	---



ہوئی ہی غیر کی شیریں بیاہنی کارگر	عشق کا او سکولگان ہم ہیز لایوں پر
-----------------------------------	-----------------------------------



قیامت کے لیس لکھ کا دست قبر میں بنا دل نہا کر پاد کی رحم نہا ہی محب غالب	عجب ہے وہ بولابون ہی ہوتا ہی مانی میں کڑا کر گم اور کفر کو الف آتانی میں
--	---



دل کا کار لگایا اور کو یہی نہا میہنا ہیں نہ ملا ماہ اجہ آفرینش کے تمام	باری اپنی بیکسی کے ہنی پانی واد ہیاں مہر کردن ہی چراغ رہ گرا باد ہیاں
---	--



یہ ہم جو ہر مین ہوا رہ کو دیکھتی ہیں وہ آئی گہر مین جاسی خدا کی قدرت ہے نہا لگی نہ کہیں اور سکی دست و بازو کو	کہی جیسا کہ کہی نامہ سر کو دیکھتی ہیں کہی ہم اور کو کہی اپنی گہر کو دیکھتی ہیں یہ لو کہیوں مری زخم جگر کو دیکھتی ہیں
---	--

تری جو اہر طرف کھلے کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع اجل و کبر کو دیکھتی ہیں

تیری لاکھ کھسکا باندھتی ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
تیری نصرت کی مقابل ای سہر
غیبستی ہی رمانی معلوم
نہ رنگے ہی واسطہ گل
علیہا مضامین مست پوچھ
اہل بندہ ہیر کی واما نگہ گیان
سادہ پیکار میں خوبان **غالب**
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتی ہیں
ہم بھی ایک اپنے ہوا باندھتی ہیں
ہر ق کو پا بہ حنا باندھتی ہیں
اشکات کی سرو پا باندھتی ہیں
مست کب بند قبا باندھتی ہیں
لوگ نالی کو رسا باندھتی ہیں
آبلوں پر ہی حنا باندھتی ہیں
ہم سے بیان وفا باندھتی ہیں

زمانہ سخت کم آتا ہی بجان **اسد**
وگر نہ ہم تو توقع زیادہ کرتی ہیں

وایم پڑا ہوا تری سپر نہیں ہون مینا
کیوں کرو شرم ہی کبیرا نگہی دل
خاک کی زنگی پہ کہ تہ نہیں ہون مینا
انسان معن پالہ سا غر نہیں ہون مینا

یار دنیا نہ بجو شام ہی کس لئے
 حد چاہی سزا میں عقوبت کی واسطے
 کہ اسطی عزیز نہیں جانتی مجھے
 کہتی ہو تم قدم مری تاکہو کسی دینے
 کرتی ہو بجو منع قدم کس کس لئے
نہال و غلغله خوار ہو دو شاہ کو دعا

لوچ جہان پہرے کہ نہیں ہوں میں
 آخر گناہگار ہوں کا فر نہیں ہوں میں
 معلوم نہ ترو وزرہ گوہر نہیں ہوں میں
 رتبی میں مہو ماہ سی کتر نہیں ہوں میں
 کیا آسمان کی ہی برابر نہیں ہوں میں
 وہ دل کی جہ کہتی ہی تو کہ نہیں ہوں میں

کیا کہ پالہ گل میں نمایاں ہو گئیں
 با دہنیں بگو ہی رنگا رنگی ہم آویزاں
 تہنیں نبات شکر و دلی کو بہرین نہاں
 قدیمین بیوقوفے کی کو نہ ہو سکتا خبر
 سب فیوضی ہوں خوش پر زمان ہر
 جو خوشی کہ ہونسی ہنسی دیکھی شام فراق
 ان پر زانوئی لنگی غلہ میں ہم ہتمام
 نیند او سکی جی مانع او سکا ہی تر او سکی

خالکین کیا سو زین ہو گئی کہ نہاں ہو گئیں
 لیکن نقش کار طاق انسان ہو گئیں
 شکر انکی جی میں کیا آیا کہ عفو ان ہو گئیں
 لیکن اکسین ہنر دیوار زندان ہو گئیں
 ہی لیتا خوش کہ جو ماہ کنسان ہو گئیں
 میں یہ سمجھو گنا کہ شمعیں فروزان ہو گئیں
 قدسی ہی جو دین اگر دکان ہو گئیں
 تیری زین کی بانو پریشان ہو گئیں

مین چون کینا گیا گویا دوستان کینا گیا
 وہ نگاہیں کھین ہوئی جانی میں بے تکلیف
 لکھو کا مینی اور سینہ میں ابھرین کی
 وہ کن کیا بھی میں تو او کی گالیوں کا کیا جواب
 خاتمہ ای بادہ کی ٹاپ میں جام گیا
 ہم موصد میں ہلا کر شمعے ترک سوم
 رنج سی ہو کر ہوا انسان تو مت جاننا ہی رنج
 یونہی گرد نہ دیا **غالب** تو ای اہل جہان

جلیں سکر مٹی لی غزلخوان ہو گئیں
 جو مری کو نا ہی قسمت سی مرگان ہو گئیں
 میری آنہن نیچہ پاک کر بیان ہو گئیں
 یا وہن جتنی دھلیج صرف بیان ہو گئیں
 سکیرین ٹٹ کی گویا گر جان ہو گئیں
 قلعین جیٹ گئیں اجڑائی امان ہو گئیں
 مشکلیں مج پر ترین تھی کہ آستان ہو گئیں
 دکھناں استی کو تم کہ میدان ہو گئیں

دیوانگی سی دوش چہ زنا رہی نہیں
 دلو نیاز حرت و بار کر سگے
 ملتا اگر نہیں آسان تو سہل ہے
 بی عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہی اور یہاں
 شوریدگی کی مانتہ سی کچی وہاں کوش
 کنجا لیش عداوت اغیار کی طرف

یعنی چارسی سپ بن اگلا بھی نہیں
 دیکھا تو ہم میں طاقت و بار بھی نہیں
 دشوار تو یہی ہی کہ دشوار بھی نہیں
 طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 صحرا میں ای خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 یہاں لین فصاحت ہی ہوسا بھی نہیں

در تالای زارسی میری خدا کو مان
 و لاین ہی با برکی صفت مرگان سیرو
 اس سادگی چه کون غر جای ای خدا
 و کجا **سد** کو خلوت و جلوت میں بارگاہ

آخر نوای رخ گرفتار ہی حسین
 حال آنکه طاق خلش خار ہی نہیں
 لڑتی ہیں اور طاہرین تلوار ہی نہیں
 دیوانہ کر نہیں ہی تو شبیار ہی نہیں

نہیں ہی زخم کوئی بجی کی دھو مری میں
 ہوی ہی مانع ذوق ناشا خانہ ویرانی
 و دیشتانہ میداد کا و شبای مکلان ہون
 بیان کسی بطلان گسری میری شبانی
 لکھو شریعت بر بطی شو جنون کسی
 ہری اور میری شکر جلوہ نشانی کسی
 بخانہ نیکان پایہ ہون صحبت کا
 ہزاروں ای جوش خون عشق فی محفل

ہو ای نازنا کی شمع چشم سوزن میں
 کف سبیل باقی ہی بر کپے روضن میں
 نکین شام ہی مری ہر قطرہ خون تن میں
 شب ہو جو کہ میں بندہ یارو کی دین میں
 ہر ای خفتہ اجا بنیہ حبیب دامن میں
 پر افواج آہنی میں مشرق و مدین میں
 جو گل ہون گلشن میں جوش و کھڑ میں
 سید ہو کر سوید ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں

سد زندانی تاثیر العنای خدایان ہون
 خم دست نوازش ہو گیا ہی طوفی گردن میں

مزی جہاں کی اپنی نظر میں خاک نہیں
مگر غبار ہوئی پر ہوا اور آلی جا
یہ بہشت ثنائی کی آمد آہ ہے
بیلا اوی نہ ہی کچھ مجھی کو رحم آتا
خیال طوبہ گل سی خراب ہیں میکش
ہو ہون عشق کی غارتگری سی نرندہ
جہاں شرمینا بصرہ ال لگی کی

سوی خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
دکرنہ تابہ نوان بال پرین خاک نہیں
کہ غیر طوبہ گل مگر زمین خاک نہیں
اثر مری نفسے اثر میں خاک نہیں
شرابخاں کی دیوانہ در میں خاک نہیں
سوی حیرت تعمیر گہ میں خاک نہیں
کہلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

غیر نا سلف کو دوری سے کہا کیوں
پرستش طرز دلبری کی کیا کہ بن کہی
رات کی وقت ہی پئی ساندہ فیہ کے لئی
غیر سی رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھی
بزم میں او سکی رہو دیکھو شوق میں پئی
میں کہا کہ بزم نماز چاہی غیر سی ہے
مجھی کہا جو بار نی جاتی میں پشور کس طرح

ہوسہ کو پوچھنا ہوں میں منسی مجھی کیا
اوسکی ہر ایک اشارہ سی نکلی ہی ادا کیوں
اوی وہ یہاں زنداگری پر گری خطا کہ بون
سامنی آن میںنا اویہ دیکھنا کہ بون
اوسکی تو خامشی میں ہی پئی عاکہ بون
سنکے ستم طریقت فی تجکو اوشادیا کہ بون
دیکھکی میری بخودی جانی لگی ہو کہ بون

کسب نمی گویایارین برین کی ضعیف میاید
که تیری لعلین بر خیال صلیب شوق کانه
جو به کی که ریخته کیو که بر شکستار

امینه طرب کنی حیرت نفسی که برون
موج مجلط آب بن با سحر دستچای برون
گفته **غالب** اکسب بر چه کی او سنی که برون

صدیال اگر افزوده ای کرم نماند
بقدر حیرتال طایفه ذوق صاحب
اگره بود قد کرم خرام نماند

که چشم نکشاید کثرت نظاره می اید
هرون کس که شد من کراست نیست دیار
کف هر خاک کشته شعله قری نماند

وارسته اسبی من که غمت می برون
چو زانه مجرمین ضعف فی رنگ افتد
ای محکوم خجسته ندگه غمیر کا گلا
پیدا هوی کی کتی من هر دو کی دا
دانه نیکبختی کسوسی معاطه
ای آدمی بجای خدا کس محشر خیال
هنگامه زبونی هست ای انفعال

کیمی طری سانه عداوت می برون
هزل پیا نقش محبت می برون
هر چند بر سبیل شکایت می برون
یون بود چاره غم الفت می برون
اپنی کسی کنیچا بون خیالات می برون
هم سخن سمجی من خلوت می برون
جاصل کیمی دهر می عزت می برون

دار سگی بیانه بیکانگی نهین
 شتای فوت و صفت هشی کاتم کو بی
 اور سنده غو کی درسی اب بهی نهین

اپنی ہی کرنے غیر ہی و شتم ہی کیون نہو
 عمر عز بصر و عبادت ہی کیون نہو
 اسین ہمار سر قیامت ہی کیون نہو

وٹان او سکھوان ل بھی بھان میں نہو
 انھی کو دکھنا نہین ذوق ستم تو دکھ

یعنی یہ میری یاد کی تاثیر سی نہو
 آمینہ ناگہ دینا نخبہ سی نہو

دھونا ہون جب میں مینی کو اور ستم کی
 دیا کی ہی جان پر دن کو کھن کی پانو
 بیانی نہی ہم بہت او سکی سزا ہی یہ
 مرہم کی جیو میں پڑ ہون جو دور دور
 اندر غی و غی و غی و غی کی بعد سر
 ہی خوش گل بہا میں بہا تاکہ ہر طرف
 شے کو کی خواب میں آیا نہو کہیں
 غالب میری کلام میں کیو سزا نہو

کہنا ہی نہی کی کج کی باہر لکن کی پانو
 بہت کیوں فوت گئی سپر دن کی پانو
 ہو کر اسیر دانی میں راہزن کی پانو
 تن ہی ہو اٹھا رہا جس نہ تن کی پانو
 مینی میں خود بخود دوسری اندر کھن کی پانو
 اور فی ہوئی ابھی میں مرغ غم کی پانو
 و گہنی میں آج اور سب تار کبہ کی پانو
 سینا ہون ہو کی خسرو شیرین سخن کی پانو

و مان پہنچو غمناں آبی ہم ہی ہمسکو
صدہ اہنگ نشین بوس قدم ہی ہمسکو

دلو میں اور بھی دل مجھ کو فنا کہتا ہے
خسرت ہے نقص ہے موری طوق کو
جاگر کبھی تغافل کہہ نہ سید ہی ہو
شکست مٹھی و درد اشر باغ حزن
سراور اسکی جو وعدہ کیکر چاھا
دکلی خون کر سکی کیا وجہ دیکھن تا جا
تم وہ نازک خوشی کو فنا کہتی ہو
لکھنؤ اسکا باعث نہیں کہلتا یعنی
مقطع سلسلہ شوق نہیں ہی شہر
نی جاتی ہی کہیں ایک موقع غالب

کھتر ذوق کر فاری ہم ہی ہمسکو
تیری کوچی ہی کہا طاف ہم ہی ہمسکو
یہ نگاہ غلط اعجاز تو ہم ہی ہمسکو
تالیر مرغ خجنگ دو دم ہی ہمسکو
ہنسکے بولی کہ تری ہر کی ضمیر ہی ہمسکو
باس سپرد نفی دیدہ ہم ہی ہمسکو
ہم وہ عاجز کہ تغافل ہی ہم ہی ہمسکو
ہوس سپرد تماشو وہ کم ہی ہمسکو
عزم سپر خجنگ طوف جرم ہی ہمسکو
جادہ رہ گشت شرافت کرم ہی ہمسکو

ہمسکو ہی پوچھنی رہو تو کیا گناہ ہو
قادر اگر رقیب ہے تو تم کو اہ ہو

تم جاو تو غیری جو رسم دراہ ہو
کبھی نہیں مواخذہ روزِ شہر سے

کیا وہ بھی کچھ کشتن ہی شناس ہیں	انا کہ تم بشیر نہیں فرشتہ و ماہ ہو
اوہر ہوا انصاف میں اوکلی ہی لکنا	مرتا ہو نہیں کیا یہ نہ کو کی نگاہ ہو
دیکھ چہتا تو ہر کیا جگہ کی قید	مسجد ہو رہا ہو کوئی خانقاہ ہو
سنی ہیں جو بہشت کے توفیق بہت	لیکن خدا کری وہ تراطلہ گاہ ہو
غلام گر نہ تو کہہ ایسا ضرر نہیں	دنیا ہو بار بار بد و مرابا دشاہ ہو

رہی اب سی جگہ چکر چکان کوئی ہو	ہم سحر کوئی نہواور غم زبان کوئی ہو
بی درو دیوار سا لکھ کر بنایا جا ہئی	کوئی پمایا ہو اور پاسبان کوئی ہو
بڑی گریہ دار تو کوئی نہو بیمار دار	اور اگر مر جائی تو نوحہ خوان کوئی ہو

از ہر نافذہ دل دل ہی مائیں	طلحی کو شربت سی معابل امیں
----------------------------	----------------------------

ہی سبزہ زار ہر درو دیوار عنکبہ	جسکی بہاریہ ہو ہر اوکلی خزان ہو چھ
--------------------------------	------------------------------------

ناچار کیجی ہجرت او نہائی	دشوائی سے دستم ہر خان ہو چھ
--------------------------	-----------------------------

طافت کہاں کہ دیکھ کا احسان اوٹھا ہے
یعنی ہنوز منت طفلان اوٹھا ہے
ای خانان خرابہ احسان اوٹھا ہے
یا پردہ تبسم بہان اوٹھا ہے

صد جلوہ رو بروی جو مرگان اوٹھا ہے
ہی سنگ ہے برات معاش خون عشق
دیوار باریت مزدوری ہی قسم
یا میری زخم رشک کے رسوا کیجی

بیون پاس آگے قبلہ حاجات چاہے
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہے
ٹان کچھ کچھ غلامی افات چاہے
تغریب کچھ تو ہر ملاقات چاہے
الکے نہ بخود ہی بھی دن ملت چاہے

مسجد کی زیر سایہ خرابات چاہے
عاشقہ بی بین آپے الیکے شخص
دی وادی شک و دل حیرت پرست کے
سیکھی بین یہ خود کی ہی ہم مصور
ی سی غرض نشاط ہی کس سیاہ کو

مطلع

خا حشی ہی سی نگلی ہی جوابات چاہے
ہر رنگین بہار کا اثبات چاہے
ہر سوی قبلہ وقت مناجات چاہے
عارف جہت مئی ذات چاہے

نشو و نما ہی ہل سی **غلب** فروغ کو
ہی رنگ لالہ و گل و نہر بن جدا جدا
سہ پای خم پر چاہی ہنگام مجھ کو
یعنی جب کہ دوش چائے نصفا

بیا در بحرین تنها ایگدر که قطره خون ده به
سورهای پاندار چکیدن هرگون ده به

سرمه و سرخ شده هم چند لکنت	تکلف بطرف تنها ایگدر انجمن ده
خیال رکب کن دل آلوده کو خسته	میری دامن من ای ملک صید برون ده
نور تاه شانه بکمر کیا معلوم تنها هم	که کلاه باعث آتش و آتش و خون ده
نمانا بر شش تیغ جفا پرتاز فرماؤ	میری دیای تبتانی من ای ملک سرخ خون ده
می عشق کی خواهرستانی کردون کی کجی	لنی پشاهی لکته و چایلم و از کون ده
میری دلبین بی غالب شوق صولت کوچ	خداوند کی بود کس من بی کون ده

ای بزم تیان یی غن آلوده لبون سی	تنگ ای من هم ای غن شایه لبون سی
بی در قمع وجه پریشانی صهبا	کیبار لگا دو خم می میری لبون سی
رندان در میکده گستاخ من زاهد	ز بهار هنوز ناظران من لبون سی
بیدار دو خادیکه که جاتی بی آخر	هر چند صبر بجان کو بهار ربط لبون سی

تا بکمر شکایت کی بی باقی نهی جا	سُن لبی من گو در چهار اینین کرنی
---------------------------------	----------------------------------

غالب ترا حال سنا دیگی ہم او کو

وہ سنی بلالین یہ اجارا نہیں کرتی

کہرین تباکیا کہ ترا غم اوسے غارت کرنا

وہ جو کہتی تھی ہم اک صحت تعمیر جو ہے

غم دنیا سی کر پانی ہی فروست او تہائی
 کہے گا کس طرح مہزون ہری کو بکلیاڑ
 پستنا پستانین شد آتش کا آسان
 او نہیں نظر اپنی زخموں کا دیکھ آنا تہا
 ہماری دلی تھی لطافت ناز پر مرنا
 کہ کہ جلالت کا نخل کہ نہیں سکتی
 کہیں کیا خوبی او ضاع انبای زلف **غالب**

فلک دیکھنا تقریبی یا دانی کے
 قسم کہانی ہی اور کافر لی کا عسکری جانی کے
 ولی مشکل ہی حکمت لین ہر زعم چپانی کے
 او تھی ہی سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانی کے
 ترا آنا تہا ظالم کر عتبہ جانی کے
 مری طاف کے ضامن تھی تو سنی ناز او تہائی کے
 بی کی اوسے جس ہی چنی کی تھی بارگاہ کے

حاصل سی جانتے ہو پیشہ امی آرزو خرا

دل جو ترگر یہ مین ہی ڈوبی ہوئی اسکا

اوس شمع کی طرح سی جھکو کوئی چھاوے
 مین ہی جلی ہو نہیں جون دفع تا قات

کیا سنگ ہم ستر و گار کا چکان ہے
 ہی کائنات کو حرکت تیری دوش
 حال آنکہ ہی پیدلی خار سی لال رنگ
 کی اوسنی گرم سینه اہل ہوسین جا
 کیا خوب نئی خیر کو بوسہ نہیں دیا
 بیٹھای جو کہ سایہ دیوار بارین
 ہستی اعتبار ہی غم فی مشا و یا
 ہی باری عناد و خاداری اس قدر

جسید کہ ایک سجدہ مو آسمان ہے
 پر قوی آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
 غافل کو میری شیشہ پی کا گمان ہے
 آوی نہ کیوں پسند کر شند امکان ہے
 بس چہرہ ہمارے ہی موندہ برین ہے
 فرمانروای کشور ہندوستان ہے
 کس کے کہو کہ داغ جگر کا نشان ہے
خالیہ ہم اسید غنیمت یک نامہر مان ہے

دوسری میری ہی جگو بقراری کا پنا
 تیری دلیں گرنہ نہا توبہ ہم کا وصل
 کیوں میری غم انگی کا جگو آیا سناخیا
 عمر ہر کا تونی چان دعا باند کا تو کیا
 نہ رنگنی ہی بھی آب ہوائی زینہ کے
 کلف نہا ناماز جلوہ کو کیا ہو گیا

کہ اہوی ظالم تری غفلت شکاری پنا
 تونی پر کیوں کی ہی میری تنگی کا پنا
 دشمنی اپنی ہی میری دوسنداری کا پنا
 عمر کو ہی تو نہیں ہی باندہ لاری کا پنا
 یعنی بخشی توحاسی ناسازگار شری کا پنا
 خاک ہوئی ہی تیری لاکھ لاری کا پنا

شرم یوئای بی جا چنانقا خالکین
 خاک بن ناموس پر جان محبت کی
 مانتہ ہی شیخ از کا کام سی جانارٹ
 کسلج کانی کوئی شبہای تار بر شکل
 کوش مجھ پر پام و چشم خودم جمال
 عشق فی کبر ابتدا غالب **اچھی** کار

ختم ہی الفت کی تجر پر پردہ دار کی ہا
 اوٹہ کئی دنیا سی او ورم یار کی ہا
 دل پہ اکٹھے نہا یا زخم کاری ہا
 ہی نظر حو کردہ اختر شکاری ہا
 ایکدل حسپر یہ نا امیداری ہا
 رو کیا تہا دلین جو کفر فوقی غارتی ہا

کشتگی ہی عالم ہستی میں پاس ہے
 لینا نہیں مری دل آوارہ کی خبر
 کچی جان سرور زب غم کہاں تلک
 ہی وہ غرور حسن سی یگانہ وفا
 پی جفت علی شب بہتا بین شرا
 ہر یک مکان کو ہی مکین سی شرف **آ**

تکلیف کو ہی نوید مرنیکی اس ہے
 اب تک ہے جانتا ہی کہ میری ہی پاس ہے
 ہر مری بدن پر زبان سپاس ہے
 ہر خندا کی پاس دل ہی شناس ہے
 اس یعنی مزاج کو گری ہی پاس ہے
 مجھوں جو کرایا تو جنگل او د پاس ہے

کرفا مٹی ہی غائبہ اخفای حال ہے

خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہے

دل فرو جمع و خج زبانبای لال ہے
 رحمت کہ عذر خواہ لبے سوال ہے
 ای شوق منقلب یہ بھی کیا خیال ہے
 ناف زمین ہی نہ کہ ناف عراق ہے
 دریا زمین کو عرق الفصال ہے
 عالم عام حلقہ دام خیال ہے

کس کو سناؤں حیرت اہلکار کا گلا ہے
 کس پر وہ مین ہی آئینہ پرواز بچلا ہے
 ہی ہی خدا نخواستہ وہ اور دشمنے
 مسکین لباس کعبہ علی کی قدم سی جان
 وحشت پر میری عرصہ آفاق تنگ تنہا
 ہستے کی مت فریب مین آجائو

حذر کرو مری لسی کی ہمدان گشت ہے
 نہ گریہ بحر ہی نہ آہ نیم شب ہے

تم اپنی شکوہ کی لہریں کہو کہو کی پوچھو
 دلا بدرد و الم ہی تو منتقم ہی کہ آخر

ظاہر کا غدتری خط کا غلط بردار ہے
 ہم نہیں جلتی نفس چہند آتش بار ہے
 ہر کوئی دماغ کی مین نالہ سی ناچار ہے
 جسکی جلتی سی زمین نا آسمان شہر ہے
 زنگ کی سی ہی مریاجی ان نون ہزار ہے

ایک طاحون خاک لہتا ہوا سو ہی گرا
 جی جلی ذوق فنا کی نا عامی پزیر کو
 آگے پانچین پچنی وقت باو ہستی ہی
 ہی وہی پچستی ہر ذرہ کا خود عذر خوا
 مجھے مت کہ تو مین کہتا ہوا اپنی زند

آئینہ کی تصویر نامی کہ چھی ہی کہ نا

نخہ پہ کھنچا دی کہ سکو حضرت بیدار

پنہیں گزنی برج کو چھی وہ میر

کندہ ہی کہار کو بدلتی نہیں دے

مری سخی فصای حیرت آباد منا
خزان کیا فصل گل گیتی میں ککو کوئی
وفا کی لبران ہی اتفاق ورنہ ہی ہم
ظاہری شفی اندیشہ تاب نہج نو مبد

جی کہتی میں تلاء وہی عالم کا غفا
وہی ہم برج جس سے اولیٰ تم بال پر کا
اشرف یاد دہائی میں کا کسو دیکھا
کف افروس طنا عہد تجدید منا

رحم کر ظالم کیا بود چراغ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزوی چین کہ کھی ہی

منہض چارہ خادو چراغ کشتہ ہے
ورنہ بہان سیر و نفی تو چراغ کشتہ ہے

چشم خواب خامشی میں ہی لو اپرواز
سکڑائی ساز طالع ساز
دستگاہ دیدہ خونیاں مجنون دیکھا

سر نہ کہو کی کہ دو شعلہ آواز
نالا گو یا گردش سیارہ کی آواز
کیا بیابان جلوہ گل فرش پا انداز

عشق چکو بنین دشت ہی ہے
 قطع کچی نہ تعلق ہم سے
 مبری ہوتی مین ہی کیا رسوا ہے
 ہم ہی دشمن تو بنیں مین اپنے
 اپنی ہستی ہی ہی ہو جو کچھ ہو
 عمر چنڈ کہ ہی برق خیرام
 ہم کوئی ترک وفا کرنی مین
 کچھ تو دی ای ملکات انصاف
 ہم ہی تسلیم کی خود اولین کے
 یاری چیز چلی جای **اسد**

مبری دشت تری شہرت ہی ہے
 کچھ بنیں ہی تو عداوت ہی ہے
 ای وہ مجلس بنین خلوت ہی ہے
 غیر کو تجسی محبت ہی ہے
 آگہی گر بنین غفلت ہی ہے
 دلی خون کر نکلی نصرت ہی ہے
 نسبی عشق معیبت ہی ہے
 آہ و فزاید کی رخصت ہی ہے
 بی بازی تری عادت ہی ہے
 کر بنین وصل تو حرمت ہی ہے

ہی آرمیدگی مین نکو پرس بجای ہے
 دہونہ ہی یاد و منشی اشقوس کو
 مستانہ ملی کردن ہونہ وادی خیال
 کرتا ہی لکیر باغ مین تو بھی بیان

صبح وطن ہی خندہ دندان نما ہے
 جسکی صد ہر طوطہ برق فنا ہے
 تابا زکشت ہی نہ ہی دعا ہے
 آتی لگی ہی گنجست کل ہی جبا ہے

کہن کو پہنچو کہو انہری کی معاملہ

شہر و شہر کی آفتاب فی رسو کیا ہے

اوس ہم میں بھی نہیں بنی حاکم
دل ہی تو ہی سیاست با ان بھی
کہنا ہوں ہوں خدو و جادہ ہوں
بیشرف ہی کرتی ہی ہو کہ عفر
مقدہ ہو تو خاک ہو چو کہ لہجہ
کس در زمین نہ ترسا کنی عہد
صحت میں غیر کی نہ ہری ہو کہ
ضد کی ہی او پات کر خوبروی نہیں
خاتاب نہیں کہو کہ ملک و ادب کیا

بشارت اگر پاشاری ہو اس
میں او چاؤن ہی خری ہو صد
مت ہوئی ہی موت آس ہو اس
حضرت ہی کل کہنیکہ کہ ہم کیا کیا
تونی وہ کہنای گراغا کیا کہ
کہن ہا کہی کہ نہ آری جلا
دینی گاہی ہو بغیر العجا کہ
ہولی سی او جی شکر فغان عدی فغان
مانا کہ ہم کیا کنی اوردہ کہنا کہ

زندگی انہی بے شکل کی زندگی **خاتاب**

ہم ہی کیا یاد کر سکی کہ خدا کہنی

خدا عرقلی نہ خطا اب

اس کی حاکم ہر قاتاب

میںای ہی سرو نشاط پیار ہے
 زخمی ہوا ہی پٹنہ پای ثبات کا
 جاو او بادہ نوشی رنجان ہی ششیت
 نظارہ کیا حریف ہوا س برق سجا
 مین نامراد و لکی شکی کو کیا کردن
 گزرا نہ سرت پیغام یار ہے

بال تیرو جلوہ موج شراب ہے
 فی ہیا گنی کی گون نہ اجاست کباب ہے
 غافل کمان کری ہی گنی خراب ہے
 جوش ہار جلوہ کو جکی نقاب ہے
 مانا کہ تیری رخ نمی نگہ کامیاب ہے
 فاصد بہ مجبور شکستل جواب ہے

دیکھنا قمر کے آپ ہی پشک جہاں ہے
 ہاتھ ہو لسی ہی گرمی گرا نڈیشہ مین
 غیر کو بارش کو کوکرت منہ گستاخی کر
 شوق کو لیت کہ ہر دم نا کہ کینچی جہاں
 دو چشم بدتری بزم طربسی واہ واہ
 کہ چہ ہی طر تغافل نہ وہ دراز عشق
 او کی بزم آریان سکزدن بخر بیان
 ہو کی عاشقہ ہر رخ او ناز کہ کیا

برج ہی کہوین ہیا اک محب ہی کہا جہاں ہے
 ایکینہ تندی چہ باسی پہلا جہاں ہے
 کہ جہاں ہی کو اتنی ہی نوشرا جہاں ہے
 و لکی وہ حالت کہ دم یعنی گسی کہبر جہاں
 نغمہ ہو جاتا ہی وہاں گرنالہ میر جہاں ہے
 ہر دم ایسی کہوی جاتی ہر کہ وہ جہاں ہے
 مثل نقش بد علای غیر شہا جہاں ہے
 رنگ گلستا جہاں ہی جہاں کہ او ناز جہاں ہے

نفس کو او کی صورت پر کیا کیا نازین	کچھ تھی صفا و تنہا ہی کچھ جا ہی ہے
سایہ بر محبتی مثل دو دیبا کی ہے	پاس مجھ آتش بجان کی کرسی نہ رہی ہے

کرم فریاد کر کہا شکل نہالی فی مجھے	تب المین ہجر میں ہی برد لبالی فی مجھے
نہ یہ نقد و عالم کی حقیقت معلوم	لی لب محبتی مری حبت عالی فی مجھے
کثرت آرائی و حدت ہی پستار ٹھہرم	کرد یا کا فر اس صنم خیالی فی مجھے
ہوس گل کا تصور میں ہی کشت گزرا	عجب آرام دیبا ہی پر وبالی فی مجھے

کا گاہ پہتی بن لالہ داغ سا مان ہے	برق خرمی رات خون گرم دھقان ہے
غنیہ ناگلفن کا برگ عافیت معلوم	با وجود و لمحی خواب گل پرستان ہے
ہم ہی شمع بیتابی کس طرح اوٹھا یا جا	داغ پٹ پٹست نجر شطرنج دندان ہے

اوکٹ تھی درد و دلوا سکی سبزہ غائب	ہم سب بامین میں اور کہہ رہی ہمارا تھی
-----------------------------------	---------------------------------------

سا دکی ہر اوکی دجائی کی حرکت دیکھیں	بسنہن چلن کہہ پر خور کھٹ قائلین ہے
-------------------------------------	------------------------------------

ایک بنا نفر کی لذت کے جو اوسنی کہا
 کہ یہ ہی کس کی شہیسی ولی یا این ہم
 بس جو ہم غلامیدی خاکین ملجا کے
 رنج نہ کیوں کھینچی دامانگی کو عشق
 بلور دار انش و رخ ہمارا دل ہے
 ہی ل شود بے غا طلس سحر و تاب

مینی یہ جانا کہ گویا یہ ہی میری طین ہے
 و کر میرا بھی بہتری کہ اوس مشکلین ہے
 یہ جو اکلالت ہمارے سہی بجا صلین ہے
 او شہین سکتا ہمارا جو دم تر ملین ہے
 فتنہ شوقیست کی آج کلین ہے
 رحم کر اپنی تباہی کہ کس مشکلین ہے

دل ہی تری نگاہ جگر لگا دے تر گئے
 شوق ہو گیا ہی بندہ ذالذات فرغ
 وہ بادشاہ کی سرستیان کہا
 او رنی پری ہی خاک مری کوی بارین
 و کہو تو لغز ہی انداز نقش پا
 ہر واپس حسن سچی شکار کی
 نظارہ فی ہی کام کیا و طان نقاب کا
 فردا وہی کا نفر نہ کیا رست گیا

دو نہ کو ملک و امین رضا سند کر گئے
 تکلیف ہواہ داری خم جگر گئے
 او شہی بس کج لذت خواب سحر گئے
 باسی ابائی ہر اہوسن بال و پر گئے
 صبح خرام بار ہی کیا گل کسٹھ گئے
 اب آبروی شہوہ اہل نظر گئے
 مستی ہی ہر کہ تری رخ پر بکھر گئے
 کل تم گئی کہ ہم بہ فبات کر گئے

مار ازمانہ فی **سدا** اشفاقان نہیں

وہ دلولی کہاں وہ جوانی کہہ کر گئے

نسکین کچھ ہم نہ روئیں جو ذوق نظر
اپنی کلی میں جھگوگردن بعد قتل
ساقی کی شرم کردہ شہ آج وہ ہم
تجسے تو کچھ کلام نہیں لیکن ای ندیم
شوہر ہی ہم دکھائیں کہ مجھوں نے کیا کیا
لازم نہیں کہ غصہ کی ہم سروی کریں
اسی کسان کی کوچہ دلدار لو کہتا

حوران غلام تری صورت کر گئے
میری پتی ہی خلق کو کبوں نہرا کر گئے
ہر شب پائی کرتی میں ہی جھٹھرتے
میرا سلام کہو اگر نامہ بر گئے
دوست کشاکش غم نہاں ہی کر گئے
جا تاکر لکھ بنگ میں ہفتے
شوہر کہیں جو **نالب** آشفہ کر گئے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
بار بار دیکھی ہیں اونکی رنجشیں
وہی خط سنبہ دیکھتا ہی نامہ بر
خاطم اعمار میں اکشرہ بخوم

اپنی جین بھی ہٹانی اور ہے
سوز عنہای ہٹانی اور ہے
پر کچھ ابکی سرگرائی اور ہے
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
وہ بلای آسمانی اور ہے

ہر چکین **غالب** میں سب تمام | ایک رنگ ناکہ بانی اور ہے

کوئی امید بر نہیں آئے
 موت کا ایک دن معتبر ہے
 اگلی آنی تھی حال دل پہنسی
 جانتا ہوں ثواب طاعت و جہد
 ہی کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہو
 کیوں نہ چھوٹن کہ یاد کرتی ہوں
 داغ دل گر نظر نہیں آتا
 ہم وہاں مہنی چھانسی ہو کر ہی
 مرنے پہنا رزو میں مرنے کے
 کہ کس نہنہ سی جاؤ گی **غالب**

کوئی صورت نظر نہیں آئے
 منہ کبوں رات ہر نہیں آئے
 اب کس بات پر نہیں آئے
 پر طبعیت ادھر نہیں آئے
 ورنہ کیا بات کہ نہیں آئے
 میری آواز گر نہیں آئے
 بو بھی ای چارہ گر نہیں آئے
 کچھ ہماری خبر نہیں آئے
 موت آنی ہی پر نہیں آئے
 شرم نگو مگر نہیں آئے

دل نادان تجھی ہوا کیا ہے | آخر اس درد کی دوا کیا ہے
 ہم میں مشتاق امدادہ ہزار | یا آہی یہ ماجرا کیا ہے

مین ہی ہندین زبان کہتا ہوں
 جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 یہ پر چہرہ لوگ کسی جین
 شکن زلف عزیز کیوں ہے
 سبزہ و گل کہاں سی آئی مین
 ہوا و نسیم دعا کی ہی امید
 ٹان پہلا کر ترا پہلا ہو گا
 جان تم پر نثار کرتا ہوں
 مینی مانا کہ کچھ نہیں **غالب**

کاش بوجہ کہ معاکیا ہے
 ہر یہ ہنگامہ ای خدا کیا ہے
 غزوہ و عسوف و ادا کیا ہے
 کچھ چشم سر دسا کیا ہے
 ابر کیا چیز ہی ہوا کیا ہے
 جو نہیں جاننی وفا کیا ہے
 اور درویش کے صدا کیا ہے
 مین نہیں جانتا دعا کیا ہے
 مفت مانتا ہی تو برا کیا ہے

کہتی تو ہوں تم سب بت غالبہ ہوا
 کسکس کشمکش مین ٹان بند مجھت
 ہی صاعقہ و شعلہ و سیلاب عالم
 ظاہر کی گبر کی نہ ہیا گبر کی گبر
 جلا دسی دشتی مین نہ وہ خطی جگر کی

کبر نہ گبر کی گبر کوئی کہ دو آ
 کچھ کہ سکون پردہ سری پوچھی کو
 آنا ہی سچ مین سری آنا نہیں کو
 جان ہونہ سی گر بادہ و دھند کی کو
 ہم بھی ہوئی مین ناہی پیرس مرچا

کای ابل طلب کون سنی طعنه نایافت
 اینانین ده شبیه که آرام سی پیشین
 کی نیم فسون فی اثر گریمین نظر بر
 اوس سخن نازکی کیا بات ہی غائب

دیکھا کہ وہ ملائین اپنی ہی گوہوا
 اوس در پینین بار تو کعبہ ہی گوہوا
 اچی ہی آپس سسی مگر عکس دوا
 ہم ہی گئی وٹان اوسری تقدیر کو روا

ہر کچھ ایک دلو بقراری ہے
 ہر جگہ کہو دنی لگا ناخن
 قبلہ متعہ نگاہ نیاز
 چشم دلال حبس رسا ہے
 وہ ہی صد رنگ نالہ فرسای
 دل ہوا سی خرام ناز سی پر
 جلوہ پر عرض ناز کرتا ہے
 پہرہ سی یوفا پر مرقی عین

سینہ جوای زخم کاری ہے
 آمد فصل لالہ کاری ہے
 پہرہ ہی پردہ عماری ہے
 دل خریدار دوق خواری ہے
 وہ ہی صد گونہ اشکباری ہے
 محشرستان بقراری ہے
 روز بازار جان سپاری ہے
 نہر وہ ہی زندگی ہماری ہے

طعنه

ہر کچھ ہی در عدالت ناز

گرم بازار فروز جداری ہے

<p> ہر وہی جہان میں اندھیر پہر دیا پارہ جگر فی سوال پہر ہوئی مین گواہ عشق طلب دل و مژگان کا جو عقدہ تھا جیو دی بی سبب نہیں غالب </p>	<p> زلف کی پہر سرشتہ داری ہے اکب فریاد و آہ و زاری ہے ہنگامی کا حکم جاری ہے آج پہر اسکی رو بکاری ہے کچھ تو ہی جکی پرہ داری ہے </p>
--	--

<p> جوں تہمت کس تنگین ہو کر شاو دانی کس کشمکش ہی کی کری کیا سنی زاد پلش مردن ہی دیوانہ زیارت کا طغیان </p>	<p> نکپاش خراش دل ہی لذت زلف گانی ہوئی زنجیر موج آگے ز صحت دانی شرارت گانی نرت پر پر کلغشی </p>
--	---

<p> نکوش ہی نر فریادی پیدا و کبر کر لے کو خاک دشت مجنون کی بخشی پر پر واز شاید بیا د بکشتی می تھا کردی پیدا و ذوقی فشان غرض کا قدرت کہنا نہ دے دیا کی خمیک بھی جیاست </p>	<p> سبب و اخذہ دندان نہا صبح محشر اگر بودی کجائی داند و ہفتان تو کس شکر ہوئی مجلس گریسی دانی ساغر کے کہ طواف کر گئی اوٹنی سی پٹی میری سرقت مین یا کسایتی دیوار پہر </p>
---	---

بی اعتدال یوں سی سبب میں ہم ہوئے
جتنی زیادہ ہو گئی اتنی ہی کم ہوئے



اُدنی بنای نہی کہ گرفتار ہم ہوئے
پیدا کیے تھے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری سوا ہی ہم بہت ہی قسم ہوئے
ہر خدا سیر ہا تہہ جاری قسم ہوئے
اخری نالہ دلین مری رزق ہم ہوئے
جو بانوا دم گئی وہی اونکی علم ہوئے
جو دھانک کچھ کلی سو وہ نہان کی دم ہوئے
سابل ہوئی تو عاشق اہل کرم ہوئے

نہان تہا دام سخت قریب نہان کے
ہستی ہماری اپنی فخر و دل کے
سخنی کشان عشق کی پوچھی ہی کیا خبر
تیری دعا سی کیا ہو غلافی کہ دہر میں
لبکستی ہی جو نکلی دکا بات خوشنجان
اٹھ رہی تیری ہندی خوشی کی ہم
اہل پرست کے فخر ہی ترک نہر و عشق
نالی عدم میں چند ہماری سپرد آئے
چوٹی ۲ نہ ہستی کدائی میں دل لگے

تو فخر کی نہان ہی بکین سبز بائے
کبھی کو کی میں جسنی نہ سنی مری کہا
کہ مری عدد کو باریب ملی میری زندگانی

جو نہ نقد داغ دل کی گری خطہ پاس بائے
مجھی اسی کیا توقع نہانہ جو آئے
یوں ہی کہہ کہو کو دنیا نہیں خوریت نہ

طلسمه بین میری شب بزم کا جو شش
اک شمع ہی دلیل سحر سو نموشش

مدت ہوئی کہ آشتی چشم کو شش
ہر موج گردا ہر سر کو شش
ای شوق دان جا نہ تسلیم ہوش
کیا اوج پرستار کو ہر فرو شش
بزم خیال یکیدہ ہر جزو شش
نہ ہمارا کہ نہیں بوسنای و شش
میری سو جو گوش نصیحت نہوشش
مطرت نغمہ ہر نغمہ کن شش
دامان باغبان و کشت کلفرو شش
یہ جنت نگاہ وہ فردوس کوشش
فی وہ سرور سورہ جو شش و خروشش
اک شمع رہ گئی ہی سو ہوشش
غالب صریح خاطر نوای سر و شش

طشورہ وصال نہ نظارہ جمال
ہو کہ شمع عشق میں پانی ہزار جسم
میں کی کیا ہی حسن خود را گوئی حجاب
کو ہر کو عقد گردن غوا نہیں دیکھنا
دیار بادہ وصلہ ساقی نگاہ مست
ای تازہ دار دان لباط ہوا دل
دیکھو مجھی جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
ساقی بکجہ دشمن ایمان و آگہی
یا شمع کو دیکھتی تھی کہ ہر گوشہ سیاط
لطف خرام ساقی و ذوق صدائے نک
یا صبح دم جو دیکھتی اگر تو بزم میں
خام و افان صحبت شمع کے جل ہوتے
آتی بریں غیبی پرستان خیال میں

اکہ میری جان کو قرار نہیں ہے
طاقت پیدا و انتظار نہیں ہے

نشہ بہ اندازہ خار نہیں ہے
طای کہ رونی پہ اختیار نہیں ہے
خاکین عشاق کی غبار نہیں ہے
غیر کھل آمینہ بہار نہیں ہے
وای اگر عہد استوار نہیں ہے
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

دینی میں جنت حیات دہر کی بد
گر بہ نکالی ہی تیری بزم سی محبو
بہسی عیش ہی کمان بخشیر خاطر
دل سی ادبہا لطف جلوہ طای معانی
قل کا میری کیا ہی عہد تو بارے
تو فی قسم کشی کی کہانی ہی **نقا**

کہ تار دامن قادر نظر میں زلفی منگل ہے
بہریت کہ باہیں دسی بولند خاطر
جنگ غنچہ گل کا صدای خندہ دل ہے

حجم غمی بیاساک سرگونی محکو حاصل
رفوئی غم ہی طلب ہے لذت زخم سوزن
وہ گل جو کبکنا نہیں جلوہ فرامی کسی **نقا**

خار پامین جو بہر آمینہ زانو بھی
ہی نگاہ آتشا تیرا سیر ہو بھی

پا پامین جو بہر سبکہ میں محو لوند
دیکھنا حالت سرور کی ہم آغوش کی د

ہوئی سر پہ از انکس کچھ نہ چھ

ہی ہی ہنر کہ لوگوں میں پھری نہ چھ

جس نیم میں تو ناز کی گھڑ میں آو
سایہ کی طبع ساتھ پہرین سر وہ منور
تجارت کرانہ کی انگ بجا ہے
دی مجھ کو شکایت کے اجازت کہ سکر
اور چشم فہم نہ کر کا اگر بای اشار
کا ٹوٹی زبان ہو کہ گئی پاسی یاد
مر جاؤں کیوں بیشک سی جہت نہ باز
خاک تر کا موس ہو کر ہو س نہ
تجارت کے بیان کلمہ ہی دل تالان
آتشکد ہی سینہ مرا راز نہ تالان
کھینچتہ معنی کا ظلم او کو سمجھئے

جان کا لبہ موت دیوار میں آو
تو اس دیکھ کے جو گھر میں آو
جیت جگر دیدہ تو بار میں آو
کچھ بھگو مزہ ہی مری آزار میں آو
طوطی کی طبع آئینہ گھڑ میں آو
اک آئینہ پاوا دی پر خار میں آو
آغوش خم حلقہ زنا میں آو
کیونکہ ہر گل مانگی بازار میں آو
جہاں نفس دلچاہو ہر تار میں آو
ای وای اگر مومن اہل میں آو
جو لفظ کہ غالب **مر** شہر میں آو

خمس کہ بہ بیگم کمال اجا ہے

اوس کی برابر فرشتہ جمال اجا ہے

جبین کہنی ہر یک مفتی تو مال اچھا
 سانچہ سی مرا جام سفال اچھا
 وہ گدا جسکو ہنوخوی سوال اچھا
 وہ جھنسی مین کہ بجا کا حال اچھا
 ایک ہے مین کی کیا ہی کہ یہ سال اچھا
 جیٹھ کاکہ کسو مین ہو کمال اچھا
 کلام اچھا ہی وہ جھکا کمال اچھا
 شاہ کی باغین تیارہ نہال اچھا
 دلی خوش کہنی کو **غالب** یہ خیال اچھا

ہوسہ تی نہیں اور دل ہی ہر لحظہ نگاہ
 اور باز نیلی آئی اگر ثوث گیا
 بی طلب دین تو مرا حسین جو ملتا
 اونکی دیکھی سی جو آجاتی ہی رون نہ پہ
 دیکھی پانی مین عشاق جو نہی کیا فیض
 ہمسختہ نی فوڈا کو شہرین کی کیا
 قطرہ دیا مین جو تلجای تو دیا ہو جا
 حضرت سلطان کو کہی خالق اکبر سکر
 جگو معلوم جنت کے مصیقت لیکن

امتحان اور ہی باہو تو یہ ہی نہ ہے
 شوق کلچن کلستان تسلی نہ ہے
 ایک دن گرنہوا بزم جن ساقی نہ ہے
 کہ نہیں شمع سید خانہ تسلی نہ ہے
 فوڈہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ ہے

ہنوی گری مرنی سی تسلی نہ ہے
 خارِ الم حرت دیدار تو ہے
 می چستان غم ہی نہیں لگا سی ہی ہے
 نفس کیسی ہی چشم و چراغ صلا
 ایک گنگامہ بد بو تو فہم ہی کہی نہ ہے

یہ سنائیے کہ تہانہ صلی کی پروا
 کر نہیں ہیں مری اشعار میں معنی نہ
 شربت محبت خوبان ہی غنیمت سمجھو
 نہوی غالب اگر طبعی نہ ہے

بے نشاطی صلا کی چلی میں ہم آگے
 قضائی تبا بھی چاہا خراب الفت
 غم زمانہ فی چارنی نشاط عشق کیستی
 خشکی دہلی داد حسن شوق کی دنیا
 غیر ہر پریشانانہ ٹہنای میں معنی
 دل جگر میں افشان چمک سجدہ خون ہے
 قسم جازہ پہ انکی ہری کمانی میں غلام

کراچی سایہ سی ہر انوسی ہی وقدم
 فقط خراب کیا بس نخل سکافط
 و کرتہ ہم ہجرت ہناتی ہی لذت الم
 کہ اوکے در پہنچی میں نامہ ہری ہم
 تہناری انوی طوطی ختم ہم
 ہم اپنی زعم میں بھی ہوئی تھی اکو دم
 ہمیشہ کمانی ہی جو میر جان کی قسم ہے

شکوہ کی نام ہی بی ہر خطا ہوتا ہے
 ہر ہون میں کوہی یوں پاک جی ملجا
 کو چھنا نہیں چرسن تلافی دیکھو
 عشق کی راہ میں ہی حرف کو کہے حال

یہ بھی عت کہ جو کہی تو کلا ہوتا ہے
 اک فراموشی بہر دیکھی کیا ہوتا ہے
 شکوہ جو رسی سر کرم جفا ہوتا ہے
 سست ہو جی کوئی آبد با ہوتا ہے

کیونکہ تیرین پند ناوک سید ادگم
 خوب تپا پہلی سی ہوتی جو ہم اپنی خواہ
 نالہ جاتا تپا پری عرش سی میرا اور
 خادم میرا کہ وہ ہی بارید بزم سخن
 اسی شہنشاہ کو اک سید مہر علم
 سات اعلیٰ کا حاصل جو فراہم کھی
 ہر مہینہ میں جو یہ بد سی ہوتا ہی ظاہر
 میں جو کسکھ ہوں آئینہ ترقی میں
 کہہ دیا **غالب** بھی اس تلخ فوادی میں نہا

آپ اوشالا فی میں گزیر خطا ہوتا
 کہ پہلا چاہتی ہیں اور میرا ہوتا
 ایک آہا ہی جواب ہی سار ہوتا
 شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا
 تیری اگر کام کا حق کس سی ادا ہوتا
 تودہ لشکر کا شری نعل پہا ہوتا
 آستان پر شری نہا سی ہوتا
 یہ ہی تیرا ہی کرم ذوق فرا ہوتا
 آج کچھ درد سری دلین سوا ہوتا

ہر ایک بات پہ کہتی ہوں کہ تو کیا
 نہ شعلہ میں بیکر شعلہ برق میں ادا
 یہ رنگ ہے کہ وہ ہوتا ہی سخن سے
 جاکٹ ہی بدن پہم لہو سی پیرا ہن
 جلا ہی جسم چان دل ہی جل گیا ہوگا

ہمیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
 کوئی بناو کہ وہ شوخ تند ہو گیا
 ورنہ خوف بد آموزی عدو کیا
 ہمارے حبیب کو اب حاجت تو کیا
 گر بدتی ہو جواب کہہ جس کو کیا

رگوئیں دوزخی پرتکی ہم نہیں قابل
وہ چہرہ خکی لئی ہو بہشت عزیز
ہو ان شراب اگر تم بھی دیکھ لو دجہا
ہی نہ طاف گستاخ اور اگر ہو ہے
بوتی نہ کا مصاحب ہی ہی اترانا

جب آنکھ سی ہی نہ چکا تو ہنر ہو گیا ہے
سوی بادہ گلغام مشکبو کیا ہے
یہ شیشہ قلعہ کوڑوہ مسبو کیا ہے
تو کس امید پہ کہنی کا آرزو کیا ہے
وگر نہ شہرین **غالب** کے آبرو کیا ہے

مین او نہیں چہرہ نون اور کچھ بھین
قد ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
سیری قسمت میں غم کر اتنا تنہا
آہی جانا وہ راہ پر **غالب**

چل نکلتی جو ہی پنی ہوئے
تکاسکی تم مری لئی ہر سنے
دل ہی یاد کے دی ہوئے
کوی دن اور ہی جی ہوئے

تعاقل دست ہر یاد مانع غفلتی
یہ آباد عالم اہل عمت کی ہونتی ہے

اگر سلوئی کچی تو جامیری ہی خالی ہے
ہری میں جھنڈ جامہ ہو مینا خالی ہے

کہہ سننا ہی کہانی میرے

اور بہرہ ہی زبانی میرے

دکبہ خوانا بہ نشانی میرے	خلش غمہ خونریز نو چہ
کرا آشفہ بیانی میرے	کیا جان کر کی مرادہ ننگے یار
ہول جانا ہی نشانی میرے	ہوں ز خود رفتہ بیدای خیال
رنگ گیا دکبہ روانی میرے	متقابل ہی مقابل میرے
سخت ازل ہی گرائی میرے	قد سنگ سرہ رکھتا ہوں
صرصر شوق ہی بانی میرے	گردباد رہ میتابی ہوں
کھل کئی صیچہ انی میرے	دہن اولنگا جو نہ معلوم ہوا
ننگ پیری ہی جوانی میرے	کر دیا صفت عاجز غالب

پای طاموس پی خامہ مانی مانگے	نقش ناز بہ طراز ابو شریب
غم وہ افسانہ کہ آشفہ پانی مانگے	تو وہ بد خو کہ تیر کو تماشا جانگے
خطہ تانہض جگر ایشہ دہانی مانگے	وہ پست تنہا ہی کہ بہر صورت شمع

ہر صبح کا گل ہونا آغوش کشا ہی ہے	گلشن کو تری صحت باز کب خوش را ہی ہے
یہاں نالہ کو اور اولٹ دھوی سکا ہی ہے	وہاں گندہ استغابہ دم ہی بندی ہے

از بکر بکھانا بی غم ضبط کی انداز
جو داغ نظر آیا اک چشم نامی ہے

جس رحم کی ہو سکتی ہونہ سیر رخ کے
اچھائی سر انگشت خائیکا تصور
دلین نظراتی تو ہی اک ٹونہ بسو کے
پہان کو گوئی سنا سنیں فراد کو

قطع

صد جیف و فنا کام کہ اکٹھی سی ^{لکھنا}
دشنہ کی کہی مہنہ نہ لگا یا ہو حکیر کو
حسرت میں ہی ایک سربو بدہ خو کے
خفجی کہی بات نہو بھی ہو کھو کے

سیا ب پکری آئینہ دی ہی مسم
آغوش گل شودہ برای داغ ہے
جیران کئی ہوئی مین دل بقرار کے
ای صند لب چل کہ چلی دن بہار کے

ہی وصل حیر عالم تکین و ضبط مین
مستوف شوخ و عاشق دیوانہ جا کے

اوس ایک ل ہی جا گیا جو کہہ کہی تو مان
شوق فصول و جرات رنہ انہ جا کے

چاہی اچھون کو جتنا چاہئے
 صحبت نہ ان کی واجب ہر خضر
 چاہی کو نیری کیا سمجھا تھا دل
 چاک ست کر جیسے ایام گل
 دوستی کا پردہ ہی بگلا گئے
 دشمنی فی میری کہو یا غصہ کو
 اپنی روانی میں کیا چلتی ہی سہی
 منحصر مرنی پہ ہو جسکی امید

یہ اگر چاہن تو ہر کیا چاہئے
 جای می اپنی کو کہنچا چاہئے
 باری اب کسی ہی سمجھا چاہئے
 کچھ او دہر کا ہی اشارا چاہئے
 مہنہ جہانا مہی جوڑا چاہئے
 کھنڈہ شمن ہی دیکھا چاہئے
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہئے
 ناامیدی او سکی دیکھا چاہئے

تعلقہ

چاہی میں خوب رویوں کو اس پر
 غافل ان پر غلاموں کی واسطے

اپنے صورت تو دیکھا چاہئے
 چاہی والا ہی اچا چاہئے

ہر قدم دوری منزل ہی نمایان ہے
 دیر عین تماشا بہ تغافل و ششمن
 دشت آتش و لہی شب تہائی میں

میری رفتاری پہاگی ہی بیابان ہے
 ہی کو ششہ شیرازہ مرگان مجھے
 دو کی طرح رٹا سا بہ گریزان ہے

غم عشاق بنو سادگی آموزستان
 اثر آید سی جاده صحرای حسون
 چو دی بسز متبید فراغت بود
 شوق دیدارین کر تو بھی گردن
 بیک شب بجز کی وشت ہی
 گردش ساغ صدف و رنگین تجسی
 کج گرم سی امک یک سنگنی ہی

کست خانه آمینہ ہی ویران مجھے
 صورت شینہ گوہر ہی جہراغان مجھے
 پیر ہی سایہ کی طبع میرا شبنان مجھے
 ہونکہ گل شمع پریشان مجھے
 سایہ رشید قیامت بن ہی بہان مجھے
 آمینہ داری بکٹہ جہراغان مجھے
 ہی جہراغان خوش شاک گلستان مجھے

چاک کے خواہش اگر وشت بربانی کر
 جلوہ کانی وہ عالم ہی کہ کہی خیال
 ہی شبنم ہی ہی دل نوید بکرت
 میکہ کہ چشم مست باز سی باوی
 خط عارض ہی بکلی ہی اف کو العجب

صح کی مانند زخم دل گریبان کر
 دیدہ و نکو زیارت گاہ حیرانی کر
 آبکینہ کوہ پیر صر گر انجانی کر
 موسیٰ دیدہ ساعو کی مڑ گانی کر
 کفیل منظوری جو کہہ پرانی کر

وہ آگے خابینہ نکین صراط شود

ولی بھی نہیں دل مجال خواب شود

کری ہی من لگاوت من تیرا دینا	تری طرح کوئی بیخ گد کو آب بود
و کیا کی حشیش ہے نام کر ہمو	ندی جو بوسہ تو ہندی کہیں جو لود
بلادی اوک سکی تی جو ہمی لغت ہے	پیالہ کر نہیں دینا ندی شراب بود
سند خوشی ہی مری مانتہ یا نہ ہوں گئی	کہا جاو سنی ذرا میری مانو دار بود

تیرش ہی میر وقت شہن تار ستر ہے	میر اسرنج بالین ہی مزار تار ستر ہے
سرکش راجا دادہ نور لعین دامن ہے	دل بدست پا افادہ جزا دار ستر ہے
خوشا اقبال رنجوری عبادت کے تم آبی ہو	فروع شمع بالبر طالع بیدار ستر ہے
بطور فاکہہ جوش صراطِ شام تنہا ہے	شعلہ آفتاب صبح محشر تار ستر ہے
ابھی آتی ہی بوباش ہے اسکی لبت کی	ہمار چہ کو غوائے لیجا عار ستر ہے
کہو کیا دلکی کیا حالت ہی جو یار میں غالب	کہیںابی ہی ہر کیا تار ستر خار ستر ہے

خطر ہی شہ الفک کہ دن ہو جاو	غزوہ دوستی آفت ہی تو دشمن ہو جاو
-----------------------------	----------------------------------

سجرا فصل کوئی بھی نشو و نما غالب	اگر گل سرو کی قامت پہ پیراں ہو جاو
---	------------------------------------

فریاد کی کوئی کی نہیں ہے	نالہ پامند کی نہیں ہے
کیون بونی میں باغبان تو نبی	گر باغ گدای می نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شئی میں تو ہے	پر تجھی کوئی شئی نہیں ہے
مان کہا موت قریب ہستی	ہر چند کہیں کہ ہی نہیں ہے
شادی کسی گزند کہ غم نہ ہو	اردی جو ہو تو دی نہیں ہے
کیون رد قلع کری ہی زاہد	میں ہی یکسک کی نہیں ہے
ہستی ہی نہ کھر عدم ہی غالب	آخر تو کیا ہی ای نہیں ہے

نہ چہ نستی مریم جرات دل کا	کہ او مہین ریزہ الماس خیزہ اعظم کا
بیت دوزخین تغافل فی تیری سدا	وہ لکے کہ بظاہر نگاہ سی کم ہے

ہم شیک کو اپنی بھی کو اپنا نہیں کرتی	مرتی میں دلی اوٹکی متا نہیں کرتے
دیر وہ او نہیں غیری ہی ربط تھا	مٹا ہر کا بہر پردا ہی کہ پردا نہیں کرتے

بہر باعث تو مبدی لایب ہو سکتے	غالب کہ ہر اکہنی ہوا چاہ نہیں کرتے

خط بہالہ سراسر نگاہ کلچین ہے
کہ ایک عریض حریت پرست بالین ہے
کہ گوش گل خم شبنم سی چہا گلین ہے
مقام ترک حجاب و دواعی تکلیف ہے

کری ہی بادہ نرمی لپسی کی سنگ صفت
کبھی تو ہر سر شوبہ کی بھی داو
بجای گزشتہ نالیہای طویل زار
ہم ہی نفع میں جل بیوفا پر ایضا

یعنی اس مجاہد کو نظارہ سی بہر ہے
وای ناما کی کاوس کا و کاختر
جوش فصل سہاسی انگریز ہے

کیون نہو چشم تان محو تعاضل کس نہو
مرئی مرنی ویکہنی کی آرزو رہ جا
عاض کل کبھوی یار یا وایا

گر گئی وہ سب تن میری عربانی ہے
مرجا میں کیا بارک ہے گرا بجانی ہے
جانا ہی محو چہ شہای پہنانی ہے
کھدے یا منجد سبابہ یرانی ہے
اس قدر ذوق نوای مرغ لبانی ہے
کی کیا تنگدین ذوق من سانی ہے

ویکہ کہ در پردہ گرم دہن افشانی ہے
جن کیا شمع نگاہ یار کا سنگافان
کیون نہو لبی التفاتی او کی خاطر ہے
میری نمنا نکل قسمت جبرم بولی ہے
بد گمان ہوتا ہی وہ کافر نہو ناما کی
وای دمان ہی شور محشر تی نہو لبی دیا

دود و اینکا و فاکچی یہ کیا اندازہ ہی
جان نشاط آید فصل بہاری واہ واہ
دی مری بہا سیکو حق فی از سر نو زند

نہی کیوں سچ ہی مری کہ کی دہانی ہے
پہر ہوا ہی تازہ سو دای غزل خوانی ہے
میرزا یوسف **غالب** یوسف ثانی ہے

یاد ہی دین ہی شکستہ یار ہے
ہی کشاد خاطر استہ در بہن سخن
یار بے شک کی داکر سے چاہی
طبع ہی شنائق لہ نہا جی حیرت کا کر
دل لگا کر آج **غالب** بھی سی ہو گئے

سجھ زاہد ہوا ہی خندہ زبر ہے
تہا علم فضل امجد خانہ کتب ہے
رنگ تباہی شہر ہی زندہ ہو گئی ہے
آندہ وی ہی شکست آرزو مطلب ہے
عشق ہی آتی تہی مانع میرزا صاحب ہے

جنو شاہ بن اہل جن کی آداب کس ہے
قدو گیسو میں پیش کر کے آداب کس ہے
کر گئی گوہر کن کی حوصلی کا استخوان آخر
نہیم صبر کو کیا سیر کفاشی ہوا خواہ ہے
وہ آیا بزم مرید کیونہ کہیو ہر کفاخل

ہم بن خوشنویان جن کی آداب کس ہے
وہان ہم میں وارو رسک آداب کس ہے
ہنو زاو خس نہ تہو سچ کی آداب کس ہے
اوس یوسف بوی سر کس آداب کس ہے
شکستہ صبر اہل سخن کی آداب کس ہے

بہی لہی من تیرا چا جگر کی پار پونہ
 نہیں کچھ سچو زمانہ کی پسند میں گرا
 تیرا روائی دل الیستہ بنیابی ہی کا حاصل
 رکھنی میں جاب تری نہ فرم دیکھ کر کیا
 وہ آدگی مری گھر وعدہ کیا دیکھنا **غلام**

غرض شست بٹاؤں کی لکڑی کے اڑا لیں
 دکھاواری میں شیخ و برہمن کی آڑ لیں
 مگر ہر تاج لخت شکر کی آڑ لیں
 ابھی تو غلی کا دم دہن کی آڑ لیں
 نئی قسوں میں اپنے جرح کمن کی آڑ لیں

کہیں ٹکی ہی آدگی جھین گرا جابی مجھے
 خدا یا جذبہ لگی مگر تاثیر اولی ہے
 وہ بدخوا اور مری ستان شوق کھولانے
 او دھروہ بدگانی ہی ہر تیرا تو اتنی
 سنبھلنی ہی مجھ ہی تا امید کی کیا قیامت
 تکلف بر طرف نظر کی مین ہی پس لیکن
 ہوی مین پاؤں ہی پہلی بڑے عشق مین رنجی

جھانیں کر کی اپنی یاد شہر جابی ہی مجھے
 کہ جتنا کہنچا ہوا کہ کچھ جابی ہی مجھے
 عبارت مختصر قاصد ہی کہیر جابی ہی مجھے
 چو چھ جابی ہی ہوا جابی ہی مجھے
 کہ داماں خیال پار چو تہا جابی ہی مجھے
 وہ کہہ جابی کہ بی ظلم کہہ جابی ہی مجھے
 نہہا کا جابی ہی محبتی نہہر جابی ہی مجھے

قیامت ہی کہ ہودی دینی کا ہم صبر **غلام**

وہ کافر جو خدا کو ہی نہ سونا جابی ہی مجھے

لاغر آسانا ہو گئی اگر تو نرم مرین بجا دی
کیا عجیب ہے جو اسکو دکھیکہ کہ آجای رحم
مردہ پتہ دکھلا دی وہ کسلا پر اپنا زین
ہیاستا گیس کی فتاریسی وہ خوش ہی مین

میرا ذمہ یکہ کر کر کوئی بنلا دی
وہاں تک کی کسی جلیسی پہنچا دی
کہو کہ وہ وہ ذرا اکٹھین ہی دکھلا دی
راحت کے جان دن تو شائینیں دکھلا دی

زیکہ مشق شاخون علامت ہے
نجانوں کیونکہ مٹی داغ طعن بہ عہد
پرچ و تاب ہو سکر طافیت مٹ
وفا مقابلہ دعویٰ عشق لی بنیاد

کشادہ لب شہ سبلی نہ است
نیچے کہ آئینہ ہی دھڑلاست
گناہ مجرم نہ رشتہ سلامت ہے
خون ساختہ فصل گل قیامت ہے

برہنہ سی اور عشق میں پاک ہو گئے
صفت پہلی ہی ہوئی آلات کی کشی
رسوائی نہ کر ہوئی آوارگی سی تم
کستا ہی کون نالہ طبل کو بی اثر
پوچھی ہی کیا وجود و عدم اہل شوق کا

دھوئی گئی ہم اتنی کہ بسرا پاک ہو گئے
تہی یہ ہی حجاب یوان پاک ہو گئے
بارہی طبعیت کی تو چالاک ہو گئے
چہرہ عین گل کی لاکہ یکہ جاک ہو گئے
آپ اپنی آنک کے خسرو خاشاک ہو گئے

کری گئی تھی دوسری تعافلی کا ہم کھلا	کی ایک نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
اس رنگ سے آتش نای کل امسی کی کش	دشمن ہی جبکہ دیکھہ کی خاک ہو گئے

نشہ شادان بیکوت ساز غامت کر	شیشمی سرو سبز جو بار غم ہے
ہنشین مت جبکہ برہم کر نہ بزم شین و	دوان تو میری نالہ کو ہی اعتبار غم ہے

عرض ناز شوخی دندان برای خندہ	دعوی محبت ناجا بجای خندہ
ہی عدم میں پیچہ خوبرت انجام کل	یکہاں نالو تامل در قضا خندہ
کلفت نافر کی کو عیش متابی حرام	ورد دندان در حال فرودن نای خندہ
شورش المین کی میں اجاب سکرویدہ	دل مجھ کر یہ لب ششای خندہ

حسن پروا خیر صنایع جلوہ ہے	آئینہ زانوی فکر اختراع جلوہ ہے
نکا کجای آگہی رنگ نالہ شاد با خن	چشم اگر دیدہ آغوش و داع جلوہ ہے

جب گروٹان زخم نہ پیدا کری کوئے	مشکل کہ نجس راہ سخن و کاری کوئے
--------------------------------	---------------------------------

عالم غبارِ حُشمتِ بخشنِ بی سبب
 افسردگیِ زمینِ طربِ انشایِ التفات
 ردائیِ سی‌ایِ ندیمِ طامستِ کمرِ چمبی
 چاکِ طایرِ سی‌جیبِ پرششِ نه‌واہوی
 غمتِ جگرِ سی‌جی‌رگِ ہر خارشِ کحل
 ناکامیِ نگاہِ ہی‌برقِ نظارہ‌سوز
 ہر خشتِ ہی‌صدوتِ کبرِ شکست
 سر بر ہوئیِ نہ‌دھندہ صبرِ آزمائشیِ سہم
 ہی‌حُشمتِ طبیعتِ ایجادِ یاسِ حُسن
 بیکاریِ جو کنگویِ سرِ پُشتیِ کاشغل
 جس فنِ وضعِ شمعِ سخنِ دورِ ہی‌

کئی خیالِ طرہِ لیلِ ساگری کوئے
 ٹانِ دردِ بستیِ دلینِ مگر جاگری کوئے
 آخر کبھی تو عقدہٴ دلِ داگری کوئے
 کیا فانیہ کہ جب کہ سو اگری کوئے
 تا چند باغبانیِ صحرِ اگری کوئے
 تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشاگری کوئے
 نقصانِ زمینِ جنونِ ہی‌جو سوداگری کوئے
 فرصتِ کمان کہ تیری تماشاگری کوئے
 یہ دردِ وہ نہیں کہ نہ پیداگری کوئے
 جیٹِ ٹوٹِ جانینِ تو پہرِ کراگری کوئے
 پہلی دلِ کدِ اختہٴ پیداگری کوئے

این مریم ہو اگری کوئے
 شمعِ دامنِ پر طرارِ سہ
 چالِ حبیبی کڑی کمان کا تیر

میری دکہ کی دواگری کوئے
 ایسی قافل کا کیاگری کوئے
 دلینِ ایسی کی جاگری کوئے

وہ کہیں اور سنا کر ی کوئے
 کچھ نہ سمجھی خدا کر ی کوئے
 کھو کر برا کہی کوئے
 بخش دو گر خطا کر ی کوئے
 کے ماحبت رو کر ی کوئے
 اب کسی رہنما کر ی کوئے
 کیوں کسو کا گھلا کر ی کوئے

بات پروان زبان کشتی ہے
 یکے باہون جو نہیں کیا کیا کچھ
 نہ کر برا کہی کوئے
 روک لو گر غلط چلی کوئے
 کون ہی جو نہیں ہی جا جہنم
 کیا کیا خضر فی سکر سے
 جب نفع ہی اوہ نہ کمی **غائب**

سایہ شاخ کل افی نظر آتا ہی مجھے
 ہونین وہ سبزہ کہ نہ پر آب گاتا ہی
 آئینہ خازن کوئی لمبی جاتا ہی
 آسمان بقیہ قری نظر آتا ہی
 دیکھوں اب برگئی پر کون چٹا تا ہی

باغ پار حصفانی یہ درانا ہی مجھے
 جو ہر تیغ زبر حشید و کبر معلوم
 دعا نحو تماشا کی شکست دل ہے
 نالہ سرا یہ کیا عالم و عالم گفت خاک
 زندگی میں تروہ محفل سی اوہا دیتی

بی تکلفانی شرارت سے کیا ہو جائے

کوہ کی ہون بار خاطر کر صدا ہو جائے

بیتہ اسانسان پر ہی کچھ نہیں
از سر نو زندگی ہو کر رہا ہو جائے

مستی بندوق غفلت ساقی ہلاک ہے
موج شراب کیکرہ خوابناک ہے
خیز خم تیغ ناز نہیں دلمین آرزو
جیب خیال ہی تری طو تری چاک ہے
جوش جنون ہی کچھ نظر آتا نہیں
صحا ماری آئندہ میں یکشت خاک ہے

لب عیبی کی جیش کفری ہی گوارہ چنبا
قیامت لسن نایان کا خواب گین ہے

آسیہ راجہ خان صدی آب ہے
نقش پاؤں کانین کینا ہی انگلی جاوہ
بزمی خوشنکرہ ہی ککی چشم مست کا
شبشہ میں بغیر ہی پیمان کمرچ پاوہ

جون میں ہی تماشائی نیرنگ تما
مطلب نہیں کچھ اس کی مطلب ہی او

سیاہی جیسی کڑوی دم خیر کاغذ سر
مرفی قسمت میں یوں تصویر ہی شبہای بجران

بجوں نامہ حیرت طاہر عرض کیا افغان ہے
نموشی لٹ صدستان ہی شیش ندان ہے

نکاح بجز طرقت ہی طایفہ ناز لطف و غما ہوئی کی شرت غمگینی لطف کیفیت شاد	نکاح بجز طرقت ہی طایفہ ناز لطف و غما ہوئی کی شرت غمگینی لطف کیفیت شاد
داغ دین بعد لاساقی سی گرسہ واکسا جا غم آغوش ملازمین پرورش شاہی عاشق کو	داغ دین بعد لاساقی سی گرسہ واکسا جا غم آغوش ملازمین پرورش شاہی عاشق کو
نکاح بجز طرقت ہی طایفہ ناز لطف و غما ہوئی کی شرت غمگینی لطف کیفیت شاد	نکاح بجز طرقت ہی طایفہ ناز لطف و غما ہوئی کی شرت غمگینی لطف کیفیت شاد
داغ دین بعد لاساقی سی گرسہ واکسا جا غم آغوش ملازمین پرورش شاہی عاشق کو	داغ دین بعد لاساقی سی گرسہ واکسا جا غم آغوش ملازمین پرورش شاہی عاشق کو

نکاح دلی تری سرمدیا نکلتی ہے صبا چو غنچہ کی پردہ میں بان نکلتی ہے	نکاح دلی تری سرمدیا نکلتی ہے صبا چو غنچہ کی پردہ میں بان نکلتی ہے
کمزخم روزن دوسری ہوا نکلتی ہے نکاح دلی تری سرمدیا نکلتی ہے	کمزخم روزن دوسری ہوا نکلتی ہے نکاح دلی تری سرمدیا نکلتی ہے

نماز و داغ ابوی شست تار ہے آئینہ فرش شش صحبت انتظار ہے	نماز و داغ ابوی شست تار ہے آئینہ فرش شش صحبت انتظار ہے
گردام یہ ہی پوچھت صحرا شکار ہے نظارہ کا مقدمہ پہرہ بکار ہے	گردام یہ ہی پوچھت صحرا شکار ہے نظارہ کا مقدمہ پہرہ بکار ہے
ای عذریہ وقت و داغ بیمار ہے وہ آبی یا شاہی پر بہانہ انتظار ہے	ای عذریہ وقت و داغ بیمار ہے وہ آبی یا شاہی پر بہانہ انتظار ہے

بی پردہ ہوی دادی بخون کرز کر
ای غنڈہ ایک کیت جس پریشان
دل ست گنا خیرہ ہی سیر ہی ہے
خفت کفیل عرو **د** خاطر نشاط

ہر ذمہ کی نقاب میں دل پیرا ہے
طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
ای بیدار آئینہ مثالدار ہے
ای گرگ ناگمان تجھی کیا انتظار ہے

آئینہ کیونٹ دو کج تماشا کہین جسے
حسرت فی لا کہ تری بزم خیال میں
پہو نکھای کسی کوش محبت میں بخدا
سہر ہجوم درد غریبی سی ڈالے
جی چشم تر میں حسرت دیدار سی بنان
دیکھ کر ہی کھنکھای عیش کو
نقاب بزرگان جو واعظ برا کی

ایسا کہان ہی لاؤں کہ بجا کہین جسے
کھلے سہ نگاہ سودا کہین جسے
افزون انتظار تما کہین جسے
وہ اک مست خاک کہ جو کہین جسے
شوق غمان کیختہ دریا کہین جسے
صبح بہار پہنچا کہین جسے
ایسا ہی کوئی ہی کبھی جا کہین جسے

شب نیم بگل لالہ نہ خالی زاوا
دل خون شدہ کنگش حسرت دیوار

داغ دل بیدار و نظر گاہ حیا
آئینہ بدست بت بدست حیا

شعلی ہی ہوتی ہو شعلی جی کے
 مثال میں تیری ہی وہ شعلی کہ فوج
 فری کھٹ کا کستہ و میل نفس رنگ
 خونی تری افسردہ کیا وحشت و کلو
 مجھ پر و دعویٰ گرفتاری الفت
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ
 ای پر تو خورشید چاٹا ہے چرا ہے
 ناکرہ گناہوں کی بھی حرکت ملی داد
 بیگانگی خلق ہی جیل نہو **غالب**

جی کشتہ فساد کی دل پہ جلا ہے
 آئینہ بانڈا نگل آغوش کشا ہے
 ای نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے
 معشوقی و بھوسگی طرفہ جلا ہے
 دستہ سنگ آئہ چان و قا ہے
 تیغ ستم آئینہ تصور برنا ہے
 سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت ہڑا ہے
 یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 کوئی نہیں تیرا تو مر جان خدا ہے

منظر ہی یہ شکل تجلی کو نور کے
 اکٹھے چٹکان کفن میں کر ڈونڈا وین
 واعظ نہ تم چو نہ کس کیو چا سکو
 زنا ہی جسی شرمین قافلہ کیوں اڑھا
 آدہ ہمار کی ہی جو بیل ہی نغمہ سنج

قصت کہلی تری خدو رخ سی پھور کے
 تیری ہی آنکھ تیری شہید وں چور کے
 کیا بات ہی ہماری شراب پھور کے
 گویا اپنی سنی نہیں آواز حضور کے
 اور قی ہی اک خبر ہی نہ بانی مجھ کے

کو دامن نہیں پہ دھاک کی نکالی ہوئی تو میں
 کیا فرض ہے کہ کعبہ ملی ایک سا جواب
 کر رہی ہے کلام میں لیکن نہ اس قدر
 غالب گراں سفر میں بھی ساندلی طہرین
 کعبہ سے ان بنو کو یہی نسبت ہے دور کے
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طہر کے
 کی جس سے بات اوسنی سکا بن چڑھ کے
 حج کا ثواب ہے رکو دنگا حضور کے

غم کہا نہیں بوجہ دل کا کام بہت ہے
 کہتی ہوئی ساقی سے حیا آئی ہے ورنہ
 فی تبرکات میں ہی نہ ضیاء دیکھیں میں
 کیا زہر کو مانوں کہ ہو کر چہرہ پاک ہے
 میں اہل خود کس و شخاص سے نازان
 نہ فرم ہی پہ چوڑو بھی کیا بطور جرم
 ہی قدر کر اسے نہ بنی بات کہ او کو
 خون ہو کی جگر انکسہ سے شکار نہیں ای
 یہ رنج کو کم ہی می کلام بہت ہے
 ہی بون کہ بھی درد و تھ کام بہت ہے
 کوشی میں نفس کی بھی آرام بہت ہے
 پادشاه عمل کی طمع خام بہت ہے
 پابست کے رسم و رواج عام بہت ہے
 آلودہ ہی جامہ احرام بہت ہے
 انکار نہیں اور بھی ابرام بہت ہے
 رہنی دی بھی یہاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا ہی کہ غالب کو نہ جانی

شاعر تو وہ اچھا ہی پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہی یار کو بہانہ کہی ہوئے
 کرنا ہوں جمع پہر جگر خفت خفت کو
 پہر وضع اصیاطی برکئی لگا ہی دم
 پہر گرم نالہ ٹی شہر بار ہی نفس
 پہر پریش جرات دکھو چلا ہی عشق
 پہر بہر غاہوں غلام مرگان بخون دل
 باہر کر ہوئی مین دل دیدہ پہر زینت
 دل پہر طواف کوی طاعت کو جای
 پہر شوق کر رہا ہی خریدار کی طلب
 دوری ہی پہر ہر ایک کل دلاہ پر خال
 پہر جا رہا ہوں نامہ دلاہ کہو لٹا
 مانگی ہی پہر کسو کو لب بام پر برس
 چاہی ہی پہر کسو کو مقابلین آرزو
 اک نئے بار ناز کو ناکی ہی پہر نگاہ
 پہر حسین ہی کہو کہ کسو کی پڑی رہی

جوش فزع سی بزم چرخان کہی ہوئے
 عرصہ ہوا ہی دعوت مرگان کہی ہوئے
 بیرون ہوئی مین چاکر بیان کہی ہوئے
 مدت ہوئی سیر چرخان کہی ہوئے
 سامان صد ہزار مکد ان کہی ہوئے
 ساز چمن ترازوی دامن کہی ہوئے
 نظارہ دخیال کا سامان کہی ہوئے
 بندار کا صکک ویران کہی ہوئے
 عرض متاع محض و دل جان کہی ہوئے
 صد گلستان نگاہ کا سامان کہی ہوئے
 جان نذر و فخر ہی عزا ان کہی ہوئے
 زلف سبھا رخ پہ پریشان کہی ہوئے
 سر ہی سی تیز دشنہ مرگان کہی ہوئے
 پہر و فزع می سی گلستان کہی ہوئے
 سر زبیر بارست و زبان کہی ہوئے

بہی ہوئے تھائی ہر وہی دوست کے راز
غالب ہمیں نہ چھوڑے کہ ہر جو اس کے

بہی رہیں قصر جان کنی جو ہے
 بیشی بہ ہم نصیب طوفان کنی جو ہے

نویا من ہی پیدا دوست جانکی لئی
 جاسی کر مرثیہ بار تشنہ خون ہے
 وہ زندہ ہم میں کہ بہن شہساز خلق ای
 راجہ جاتیں ہی میں مستندی آفت بیک
 ملکات دور کہہ دوسری جی کہ میں ہی
 شال یہ مری کو کشش کے کی جہنم
 کرا بھگی وہ چپ ہمارے جو شامت
 بقدر شوق نہیں طرف نگہائی غزل
 دیای خلق کو یہی تاوسی نظر نہ لگی
 زبان پہ بار رضا یا یہ کہ کا نام آیا
 نصیر دولت دین اور معین قلیت ملک
 زمانہ جدید بناو سکی ہی عورت اس

رہی نظر رسم کوئی آسمانی لئے
 کہ چون کہہ اپنی ہی مرثیہ جہنم کی
 نہ تم کہ چور بجا عمر جاو و انکی لئے
 جلائی جان ہی او اندری ملک جانکی لئے
 دراز دوستی فاعل کی استغاثی لئے
 کر قفس میں خاتم خس شہانکی لئے
 او تباہ اور دہشکی قدم میں پسا جانکی لئے
 کچھ اور جانی دوست مری پسا جانکی لئے
 بنا ہی عیش و تنوع حسین خان کی لئے
 کہیری لطفانی بوسی مری پسا جانکی لئے
 جلا ہی جہنم برین جکی استغاثی لئے
 بینکے اور ستاری آسمانی لئے

صق نام بوا و صبح باقی ہے
ادای خاص سی **غالب** ہوا ہی کتہ سرا

سفینہ چاہی اس بحر بیکہ انکی لئے
صلای غلام ہی یار ان کتہ و انکی لئے

افراشیں ابروی کو ہر سخن بہر شفا
ابوالامید حضرت غلام رفیق علیہ التحیۃ و الشان

ساز کیتہ بہن فیض چمن سی بیکار
مستی باد صبا سی ہی بعد من سبزہ
سبزی جام زمر و کی طرح دانہ پلنگ
مستی ابری گنچن طرح ہے حرست
کوہ و صحرا ہمہ معمور سی شوق میل
سونہی ہی فیض ہوا صورت مرگان مہتمم
کات کر پھینکئے ناخن تو با لذت ہلال
کف ہر خاک بگردن شدہ قری پرواز
میکہ پینہ ہو اگر آرزوی گل چمن
موج گل دہونڈہ بخلو کدہ غنچہ باغ
کبھی کر مانی اندیشہ چمن کی تصویر

سایہ لالہ بیدار سو بیدای بہار
ریزہ کشیدہ می جو ہر تیغ کہار
تازہ ہی رشیدہ تاریخ صفت و شہر
کہ اس آغوشین ممکن ہی دو عالم کافشا
راہ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سی بیدار
سروشت و جهان ابر یک سطر عیار
قوت نامیہ و سکوبہی پنجوڑی بیکار
دام ہر کاغذ آتش شدہ جلا و س شکار
بہول جا بفتح بادہ بطاق کلزار
گم گری گوشہ میخانہ میں کر کو دستار
سبز مثل خط نو خبر مو خط ہر کار

لعن کسی کی ہی پی زمرہ جت شاہ
وہ شہنشاہ کہ جسکی پی تعبیرا
فلک الحسن هجوم خم دوشن ز دور
سبز و نہ چمن کچھ نہ لب بام
وہ انکی خاشاک سے حاصل ہو جسکی
خاک صحرائی بخت جو ہر سر عرفا
دعا و رس کر دکا خشب کو آئینہ ناز
آؤ نیش کو وہ انکی طلبستی ناز

طوطی سبز کہسارنی پیدا منقار
چشم جبریل جوئی قالب خشت دیوار
رشتہ فیض نازل سا بظنا ب مہار
رفت بہت صد عارف یکا و صفا
وہ ہی مروہ بال پری سی سبز
چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار
گردا ورس دشت کی امید کو احرام ہمار
عرض خمیازہ ایجاد ہی ہر موج غبار

مطلع
ثانیہ

فیض سی تیری ہی ای مجمع شہستان بہار
دل میوانہ چراغان پر لبیل گلزار

مطلع
ثانیہ

ذوقین جلوہ کی تیری بہوای دیار
سکات اختر من مر نورہ کو ہر بار
ہم ریاضت کو تیری وصلہ سی استظار
جام من تیری عیان بادہ جوش اسرار
کلیط نازش مرگان کو کر سو غم خار

بشکل طاووس گری آئینہ خانہ پرواز
نیر و لا کی غنسی ہی بروی کردو
ہم عبادت کو تر نقش قدم مہر غار
مع من تیری نہان زمرہ نعمت بجے
جو ہر دست دعا آئینہ یعنیے تاثیر

مردم کسی بود عزانة اقبال نگاه
دشمن آل بی که بطریق غایت دهر
دیدہ تا دل آئینه یک پر تو شوق

خاک کی تری جو چشم بنو آئینه دار
عرض خنیازه سیلاب جوی طاق
فیض معنی سی خط ساغر از دم شیار

ایضائی المصبت

دهر جز طبله گیتای معشوق نہیں
بیدارهای تماشا که نه بخت ہی ذوق
هرزه ہی نغمه زیر دهم هستی و عدم
نقش معنی همه خنیازه عرض صورت
لافت دانش غلط و نفع عبادت معلوم
مثل مضمون و قافا بدست تسلیم
عشق میر بطی شیراز را خدای حواس
کو کهن که سنده فرد و طرنگه در شب
کشتی و کباب نفس و قافا آتش خیز
سایع زمره اهل جهان چون لیکن
کشفه هرزه سر امون که عیانوا باشد

ایم کمان هوئی اگر حسن بنو ناخود بین
یکسبهای تما که نه دنیا ہی نه دین
لغوی آئینه فرق جنون و تکلیف
سخن حق همه همان ذوق تحسین
درد یکساغر غفلت ہی چه دنیا و چه دین
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
وصل نگار رخ آئینه حسن یقین
بیستون آئینه خواب گران شیرین
کشتی پایا اثر ناز و دلهای خربین
نه سر و برگ ستایش و دماغ نفزین
کیقلم خارج آداب و قمار و تمسکین

نقش لعل لکبای خامه به بان مجریم
 مطهر فیض خدا جان دل ختم رسل
 بوده سر نایه ایجا و جهان گرم خرام
 جلوه پرداز نفوس قدم او سکا حبسجا
 نسبت نامی او سکی بی ید زبک که را
 فیض خلق او سکا بی شای بی توانی سدا
 بر شمع کا او سکی بی جهان بی چرا
 کف و ناله سکا ده جلوه بی جس سگی
 جان نایه دل و جان فیض ز سانا شاد
 جسم الجده کو تری و دشمنی بر منبر
 کبسی ممکن بی تری مع بغیر از واد
 آستان پرتی بی جو بر آینه سنگ
 تیری سکی کنی اسباب را آماده
 تیری دستکی می بین دل و جان کام دنیا
 کس بی سکی بی مایه مصرع خدا

یا علی عرض کنای فطرت و اسقرین
 قبله آل بی کعبه ایجا و یقین
 هر کف خاک بی و دان کرده تصویر
 ده کف خاک بی ناموس و عالم کی این
 ابد است ملک خم شده ناز زمین
 بوی گل سی نفیس و صبا عطر آگین
 قطع هو جانی سر رشته ایجا و کین
 ناکش شوق کی طبع رونق بخانه چین
 وصی ختم رسل تو بی بغض و یقین
 نام نامی کو تری ناصیه عرش گین
 شعله شمع مکر شمع بی بانوی آئین
 رقم بندگی حضرت جبریل امین
 خاک و گلو جو خدائی دوی جان دین
 تیری سلیم کو بین لوح و قلم و چین
 کس بی سکی بی آرایش و دس برین

جسب نماز معاصی **الشد**
 شوخی عرض طالب **کے** گستاخ طلب
 دی عاکو مری وہ مرتبہ حسن قبول
 غم شہسبیری ہو سب سے بہا سنگ بربز
 طبع کو الفت لعل میں سیر گرمی شوق
 دل الفت نسبت سیتہ تو حید فضا
 صرف اعدا اثر شعلہ دود و دوزخ

کہ سوانیری کوئی او سکا خرد یارین
 ہی تری حوصلہ فضل یہاں سب لقتین
 کہ اجابت کہی ہر حرف پہو با آئین
 کہ درخج ن جگر سی مری آئینہ نگین
 کہ جہانکے آوے کہ نہ دم اور جہنی
 نگہ جلوہ بہت و نفقہ صدق گزین
 وقف اجاب گل و سنبل فردوس برین

در مع شہنشاہ جسم جاہ سلیمان **بارگاہ**

سراج الدین محمد بیاد شہاہ بادشاہ غازی

شان بہ نوسنین ہم او سکا نام
 دودن آیا ہی تو نظر دم صبح
 باری دودن کہاں رہا غائب
 اوڑکی جانا کہاں کہ تارون کا
 مرجبا ای سرور خاص خواص
 عذرین تین دن نہ آئی کے

جبکو تو جہانکے کر رہا ہی سلام
 ہی انداز اور ہی اذام
 بند عاجز ہی گردش ایام
 آسمان فی بچار کہا تھا دام
 عبتہ ای نشاط عام عوام
 لیکلی آیا ہی عید کا پیغام

اوسکو چولا بچا ہے کہنا
 ایک مین کیا کہنے جان لیا
 راز دل محسوس کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 مینی مانا کہ تو ہی حلقہ گوش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہی تو
 مہر تابان کو ہو تو ہوا ہی ماہ
 محکو کیا پاپروشناسی کا
 جانتا ہوں کہ اوسکی فیض سی تو
 ماہ بن ماہ تاب بن مین کون
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے
 ہی مجھی آرزوی بخشش نہیں
 جو کہ بخشیکا محکو فر فر و غ
 جب کہ چودہ منازل مسکے
 تیری پرتوسی ہوں فروغ ہزیر

صبح جوبادی اورادی شام
 تیرا آغاز اور ترا اختتام
 محکو سمجھائی کیا کہین تمام
 ایک ہی امید گاہ انام
غالب اوسکا گر نہیں ہی غلام
 تب کہا ہی بطور استفہام
 قرب ہر روزہ برسبیل دوام
 جز بہ تقریب عید ماہ صیام
 پہر بنا چاہتا ہی ماہ تمام
 محکو کیا بانٹ دیگا تو انعام
 اور کی لین دین سی کیا کام
 کہ تجھی ہی امید رحمت عام
 کیا نہ دیگا تجھی می کلف نام
 کہ کئی قطع نیری تیزی کام
 کوی دیکھو و صحن و منظر دہام

دیکھنا میری مات بین لہریں
ہر غزل کی روشنی پہ چل نکلا

اپنی صورت کا ایک بلورین جام
تو سن طبع جانتا تھا لکام

غزل

زہرِ عنبر کر چکا تھا میرا کام
مٹی ہی پر کیوں نہ مین چڑھاؤں
بوسہ کیا ہی غنیمت ہے
کعبہ میں جا بھائی گے تاؤ سن
اوس صبح کا ہی دورِ جھکو نقد
بوسہ دینی میں اونکو ہی انکار
چمیرتا ہوں کہ اونکو قصہ آس
بک چکا میں تو سب کچھ اب تو کھ
کون ہی جسکی در پہ نامید سا
تو نہیں جانتا تو مجھسی سن
قلبہ چشم و دل بجا آدشاؤ
شہواری طرقتہ انصاف

جھکو کسنی کہا کہ ہو بد نام
غم ہی جب ہو گئی ہو زلیست حرام
کہ نہ بھجیں وہ لذت و شنام
ابو بانڈہا ہی دیر میں احرام
چرخ فی لی ہی جسکے گردش و ام
وکی لینی میں جھکو تھا ابرام
کیون کہوں نہ غائب اپنا نام
ہی پر چہرہ پیک تیز خرام
میں سہ دھروڑ ہرہ و ہرام
نام شاہشہ طبعہ مقام
منظر و نہ الجلال والا کرام
تو نہیا رحلہ اسلام

چکا هر فعل صورت اعجاز
 بزم من ميزبان قصير و بسم
 ای ترا لطف زندگی افرا
 چشم بد دور حسره دانه سگوه
 جان نثار و نین تبری قصیر و م
 وارث ملک جانی من سیه
 زهر بازو من مانتی من نجی
 مر جاسوس گشائی ناوک
 تیر کو تبری تیر غیر بدست
 رعد کا کرهی ای کیا دم بند
 میری فیل گران جسد کی صدا
 فن صورنگری من تیرا گرز
 او سکی مضروب کے سرو تن
 جب نزل من رستم پزیر جو
 اولاد من اوراق من بک ملک قضا

چکا هر قول معنی الهام
 رزم من اوستا و رستم و سام
 ای ترا عهد فرخی و سر جام
 لوحش الله عارفانه کلام
 جرد خوار و نین تبری سر شد جام
 ایسج و لوز و خسرو و بهرام
 کیس و گو دوز و میزان و رقام
 آفرین آبداری صمصام
 تیغ کو تبری تیغ خضم نیام
 برق کو دی رطابی کیا الزام
 تیری خورشید سبکشان کا خرام
 گرنه رکبتا ہو و سگتاه تمام
 کیون نمایان ہو صورت ادغام
 صفوهای لبالی و ایام
 مجمل مسند رج ہوئی احکام

کلبه دیا شاهد و نکو عاشق گشت
 آسمان کو کلبا گیا کہ کلبین
 حکم ناطق کلبا گیا کہ کلبین
 آتش و آب و آذر خاک کے لئے
 مہر رخشان کا نام حسد و روز
 تیری توقع سلطنت کو ہے
 کاتب حکم فی بموجب حکم
 ہی ازل سی روای آغاز

کلبہ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 گشتہ نیز گرد و نیلی خام
 خال کو دانا اور زلف کو دام
 وضع سوز و غم و روم و آرام
 ماہ تابان کا اسم شبنم شام
 دی پرستو صورت ارقام
 اوس قسم کو دیا طراز دوم
 ہوا بدنگ رسائی انجام

ایسا

صبح دم دروازہ خاور کھلا
 خرد و جسم کی آیا صرف من
 وہ بھی نہیں لاکس میا کی سی نمود
 ہن کو کلب کہہ نظر آئی من کچھ
 سلج کر دن پر پڑا تہات کو
 صبح آیا جانب مشرق لظہر

مہر عالم تاب کا منظر کھلا
 شب کو تہا گنجینہ گوہر کھلا
 صبح کو راز مد و اخضر کھلا
 دینی ہن دہو کا یہ بازیگر کھلا
 مونیو نکا ہر طرف زبور کھلا
 لاک نگار آتشین رخ سر کھلا

بتی نظر بندی کیا جب روشہ
 لاکھی ساتی فی صبح کی لئے
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ
 تاج زین مہر نابان سہی سوا
 شاہ شہنشاہ بجاوشت کہ ہے
 وہ کہ جسکی صورت کنوین میں
 وہ کہ جسکی ناخن ناویل سے
 پہلی دارا کا نکل آیا ہی نام
 روشناسو کی چان خبرست ہے
 تو سنہ میں ہی وہ خوبی کہ جب
 نقشب پاکی صورت میں وہ دلفریب
 مجھ پر فیض تربیت سی شاہ کی
 لاکھ عقدی فلین تہی لیکن ہر ایک
 تبادل وابستہ فضل کی کلیہ
 باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار

بادہ گل رنگ سار کھلا
 کہ کہ دیا ہی ایک جام نہ کھلا
 کعبہ امن و امان کا در کھلا
 خضر و افاق کی موند پر کھلا
 راز ہستی و پسر نامہ کھلا
 مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
 عقدہ احکام پنجب کھلا
 او کی سرنگوں کا جب دفتر کھلا
 دمان کھلا ہی چہرہ فیض کھلا
 تہان ہی وہ غیرت صرصر کھلا
 تو کی بجائے آذر کھلا
 منصب مہر و مہر و محور کھلا
 میری حد و مسیحی باہر کھلا
 کیسنی کہو لاکھ کھلا کیو مگر کھلا
 عجیبی گر شاہ سخن گستر کھلا

ہر جہان گرم غزلخانی نفس لوک طابین طبعہ عنبر کھلا

بستر

کالج میں ہنسا رہوں یوں پر کھلا	کاشکی ہر تاقفس کا وہ کھلا
ہم پکاریں اوس کی یوں کون جا	یار کا دروازہ پاوین کر کھلا
ہمکری اس رازداری پر کھنڈ	دوست کا ہی راز دشمن پر کھلا
واقعی دل پر بھلا گناہنا داغ	زخم لیکن داغ سی بہتر کھلا
مات سی کہہ دی کیا برون کی	کب کمری غم کی خیر کھلا
مفت کا کسو بڑا ہی بد رفتہ	رہروی میں پردہ رہبر کھلا
سوز دل کا کیا کری باران شک	اک بہتر کی مینہ اگردم بہر کھلا
نامہ کی ساتھ آگیا پیغام مرگ	رہ کیا خط جاتی بہر کھلا

دیکھو غائبے گرا دلچھا کوئی

ہی ولی پوشیدہ اور کا فر کھلا

ہر ہوا چست طرازی کا خیال	پہرہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامہ فی بائی طبیعت سی مدد	بادبان ہی اوہنی ہی لنگر کھلا
مع سی مدوح کی دیکھی شکوہ	بیان عرض سی رہ جوہر کھلا

مهر کا نیا چرخ چکر کہا گیا
 بادشہ کا نام لیتا ہی خطیب
 سکے شہ کا ہوا ہی روشناس
 شاہ آگے دہرا ہی آئینہ
 ملک کے وارث کو دیکھا وطن
 ہو سکی کیا مدح طان اکٹام ہے
 خدا چہ پس نایش نام تمام

بادشہ کا رایت لشکر کہا گیا
 اب علو پایہ منبر کہا گیا
 آب عیار آبروی زر کہا گیا
 اب مال سنی سکندر کہا گیا
 اب غریب طغزل سنجر کہا گیا
 دفتر مدح جهان داور کہا گیا
 عجز اعجاز سنایا لشکر کہا گیا

جانتا ہوں ہی خط لوح ازل
 تم کرو صاحب قرانی جب ملک

تم پہ ای خاقان نام اور کہا گیا
 ہی طلسم روز و شب کا در کہا گیا

قلعہ درغالیش عنوان دلا ویزی گفتار

و آسان کردی اندوہ پشیمانی بر دلدار

کئی دن تاکتہ غیرو کی دفا دار
 بس بگیزی پکیا شرمسگر جانی دلیا

کیا کرتی ہی تم نصیر بر ہم غلامی سچی
 قسم لو ہمیں گریہ بھی کہیں کیون ہم کہنی

چمن سرا یہ کردی گفتار سنایش کلکے

کہا کرد و سس متوان گفتارم سب البتہ

کلفت کا جو ذکر کیا تو فی ہمشین
وہ سبز مذاثری طرا اگر ہی غضب
صبر زادہ او کی نگاہیں کہ حق نظر
وہ مسوہ تازہ شیریں کہ داغ آہ

اکتیر میری سینہ میں بار اکٹھا ہوا
وہ خازن بنان خود آرا کر ٹا ہوا
طاقت باوہ اونکا اشار کر ٹا ہوا
وہ بادہ طاب گوارا کر ٹا ہوا

باد و ستار سپاس عطا ہی حد یہ سخن را ندان
وہ منع گزید سخن در برابر آن افشا ندان

ہی جو صبح گفت مست بہ یکجہی دلی
خانہ انگشت بہ ندان کہ اسی کیا لکھی
مہر کہتوب عزیزان کہ اسی کہنے
مسئی الودہ انگشت حسینان کہنے
خانم دست بیا نکی مشاہد کہنے
آخر سوخہ قریب سے نسبت پہچ
حجر الاسود و دیوار حرم کبھی فرض
وضع میں کہ اگر سمجھی خاف تریاق
صوبی میں اسی تہرا ہی گر مہر غماز

زیر تیاری اسی مجھدا چھا کہنے
ناظمہ سر گریبان کہ اسی کیا کہنے
حرز بازوی شکر خان خود آرا کہنے
دافع طرف جگر عاشق شیدا کہنے
پرستان پر پر آدما نا کہنے
خال مشکین رخ و کشت لبت کہنے
نافہ آہوی بیا بان خشن کا کہنے
نگین ہنرہ و خیر مسحا کہنے
یکدہ میں نامی خشت خم صہیا کہنے

کیون اسی فضل و کرم مجتبیٰ کلے	کیون اسی نقطہ پر کار نما کلے
کیون اسی گوہر نایاب تصور کھی	کیون اسی مرد کا دینہ عقا کہے
کیون اسی تکرہ پیراں بسلی کلے	کیون اسی نقشے پانہ سلا کہے
مبذہ ہو سکے کف دست کی دل کھی	اور اس چکی سپاری کو سودا کہے

نہو چہ کی حقیقت حضور والا	چھی چھی ہی سیں کر دھنی روئے
نہ کہانی گہون نکلے نہ غلے سی باہر	جو کہانی حضرت آدم سے سی روئے

ایں شہادہ ملک منور بی مثل و نظیر	ایں چاند کریم شہد بی شبہ و عدیل
پانوسی تیری ملی فرق ازلت اور یک	فرق سی تیری کسی کی سبطات کلیل
تیرا انوار سخن شاد زلف الہام	تیری فیاض قلم حینش مال جبریل
تجلی عالم پہ کھلا ابطہ قرب کلیم	تجلی دنیا میں بچھا مایہ بدل ظلیل
بسخن اوج وہ مرتبہ معنی و لفظ	بکرم و اغنہ ناصیہ قلام و قریل
نامری وقت میں ہو عیش و طرب کے توفیر	نامری عہد میں ہو رنج و الم کی تعلیل
ماہ فی جوہر دیا نور سی چانا باہر	نہ ہوئی ترک کیا حوت سی کرنا خوئل

نیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رسید
 نیز اقبال ترجم مری حبیبی کی نوید
 بحث ناسازی چاه که ندی جگواران
 چچی دالی ہی سرشتا و قات کی گاندر
 تشریح زمین فی رابطه خوف عظیم
 و معنی ہی مراصفه لغا کی قارہ
 فکر مری کبر اندوز اشارات کثیر
 مری باہام بہ ہوتی ہی تصدیق توضیح
 نیک ہوتی مری حالت توند دنیا کی
 قبلہ کون و مکان خستہ نوا زمین پر

نیری بخشش مری انجاء مفاسد کی کفیل
 نیز انداز تغافل مری مرستی لیس
 خراج کج باز فی تاکہ کری مجبور لیس
 پہلی شو کی ہی بن ناخن تدبیر میں کس
 کشت و م نہیں فی ضابطہ جہ نقیل
 علم گیتی سی مرا سینہ عمر کی زنجیل
 کلاک مری رستم آموز عبارت قلیل
 مری جمال سی کرنی ہی تراوش بیل
 جمع ہوتی مری فاطر کو مگر ناقصیل
 کعبہ امن دامن عصہ کشائی میں وکیل

منظوری گزارش احوال و احوال
 شوشت ہی ہی پیشہ آبا پیگری
 آزاد ہو ہون اور مرسل کی صلہ کل
 کیا کہی یہ شرف کھڑکا غلام ہون

اپنا بیان حسنیت نہیں سمجھتے
 علم و کمال و فضل ہی نسبت نہیں سمجھتے
 ہرگز کہی کسی عداوت نہیں سمجھتے
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں سمجھتے

استاد شمس بر چرخ کا خیال
جام جهان نمای شهنشاه کا ضمیر
بر کون اور ریختہ مان کسی مدعا
سہرا لکھا گیا نہ رہا مثال امر
مقطع مینا پری ہی سخن گستر آفتاب
روی سخن کی طرف ہو تو رو سیاہ
قسمت بر کسی طبیعت بری نہیں
صادق ہوں انہی فعل غالب خدا گواہ

یہ تاب بہ مجال بہ طافت نہیں سمجھے
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں سمجھے
خبر انبساط خاطر حضرت نہیں سمجھے
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں سمجھے
مقصود اس سے قطع محبت نہیں سمجھے
سو دہنیں جنوں نہیں جوش نہیں سمجھے
ہی سر کی جگہ کہ شکایت نہیں سمجھے
کہتا ہو کس جگہ کہ جھوٹ کی طاقت نہیں سمجھے

بہا بعیاہ

بعد از انعام بزم عبد اطفال
آپ بچی میں تما سواد افسلیم عدم

ایام جوانی رہی ساغر کس حال
ای عمر گزشتہ کی قدم استقبال

شب بخت رخ و فشان کا غم تھا
رو یا مین ہزار اکبہ سی صبح ملک

کیا شرح کردن کہ طرفہ تر عالم تھا
ہر قطرہ اشک پیدہ پر غم تھا

ہی سحر جگر کا بھی اسطرح کا حال	اشبازی ہی جی سحر اطفال
دک کوئی لی گیا ہی کیا کہیں نکال	ہمارو جی عشق ہی قیامت کوئے

دلی تباہ کہ جو جان درد تہید ہے	مینا بی رشک و حرمت دید ہے
ہم اور سر دنای غلی افسوس	نکار اور انہیں تو تجھ پر ہے

ہی خلقِ حید فحاش از مینگی لئے	دشمنکہ تلاش از مینگی لئے
یعنی ہریار کا غذا کی طرح	ملتی ہیں یہ بد معاش از مینگی لئے

دل سخت نرند ہو گیا ہی گویا	اوس سی گلہ مند ہو گیا ہی گویا
پریار کی اکی بول سکتی ہی نہیں	غالب مہند ہو گیا ہی گویا

دک کہ جی کی پسند ہو گیا ہی غالب	دل رک کہ کرند ہو گیا ہی غالب
--	-------------------------------------

والد کہ شب کو نیندا تی ہی نہیں	سنا سو گند ہو گیا ہی غالب
--------------------------------	----------------------------------

مشکل ہی رہس کھام میرا ہی دل	سکھنے کے اوی سخوڑان کا مل
آسان کہنی کی کرنی بین فرما بش	گویم مشکل و گر گنویم مشکل

ہی لعل و غایت ہنشاہ پہ دال	ہی لعل و غایت ہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بی بحث و دال	ہی دل و دین و دلش و داد کی دال

ہر شے میں صفات و الجھالی باہم	آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاہ کنیوں سا فل و عالی باہم	ہی ایک شے و دو والی باہم

حق شے کی بقا سی خلق کو شاہ دگر	تا شاہ شمع و شمش و دا دگر
یہ دی جو گئی ہی شے عمر میں کاغذ	ہی صفر کا و ایشی اعداد دگر

اس شے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا	انہی ہی کبریاں تار ہوں بلکہ سوا
---------------------------------	---------------------------------

ہر سینکڑی کو ایک گدہ مذکرین	ایسی گر حین ہزار ہوں بلکہ سوا
-----------------------------	-------------------------------

خاتمه

و میدان سپیده سحری از تیره شب سواد اوراق بفرود رخ کبر
عبارت تقریظ که پیدائی آن اثری است از آثار خرام خانه
دل را برادر نعل نزدیک بجان پراثر غالی دو دامن و اما کفر
نواب محمد نصیر الدین خان پیا در سلمه الله تعالی

بنامیزد بسی بالانا طوره البت از قدسی خانواده فکر سر بر زده گرم جلوه کرد
لا ابالی خرام محجوب البت معتقد از رخ برداشته و دامن کبر بر زده دانند از
پرونده در . یوسفستانی است حور اشترادان معانی در وی و دش بدوش
عجب زار است جلوه گاه حیرت یان باخته همش . پنهان و پرند است مانند
سپهر نوابت گوهر آگین . خدق رونق شارسانی است باز نامه سخن
صد نگار خانه چین . فروغانی چراغیت پری پروانه . سعاد میکی
حرز بازوی فرزانه . گوی میکائیل نزال موکلی فراخ سماطی نهاده است
و کرسنه چشمان سخن راصلا ی علام در داده . حبیب الله تقدس معیت
که کلبه ش بدست فهم درست داده اند . و درش بر احرام میدان

مرد لغت دل کشاده : سوزناقی است یک صمنستان ز نار بنده ان خیال درو
 جین سا : ارغلی است به نمایش نقشهای بدیع پشت دست مانی داره رنگ
 بر زمین سا : هر صفی ازین اوراق برهنی است بید خوان : هر ورق ازین
 کتاب موبد است استادان : آمینه خانه ایست گیتی نما : صفی کده است
 مصفا : پرد گیانه جلد نشین سراق مریم کرداری : شوخ چشمانند
 پرده در تر از شاهان بازار : تمیدستانند توگر دل : آزادگانند
 پادگنل : عشاق طینستانند بخوشین یائل : ساده پیکراند نگارین دل
 طاروت پیگانند زهره فن : برین گویانند بابل مکن : سمند اند فزمن کش
 نهنگانند سیند پر آتش : پریشانند بخت مغر : هم بخت بخت و هم پوست نقر
 بادو آسانند مسیت : از خود در فغانند باکیدر گم دست : صغی
 چارسی کرد : دلی نژادانند صفایان پرورد : ها و ها : تریم که آنچه بروم
 نه نخته باشی همانا منتخب دیوان آرد و زبان است رنجه کلک سبجی فرما
 خدام قطار من دانش : اسطیلاب پیش : جو هر آینه آفرینش : معیار لغت
 گرانمایگی : معراج سلم طیند پایگی : قهرمان فکر و سخن پرور : فرما نظر
 کعبان مخور : گیتی خدایگان تو این نگاری : جان سالار نازه گفتار

ردان بخش کالبد سخن گسری بینای قزای چشم دیده دوری فرازنده کوا
شوک خامه فروزنده چراغ دوده آمده آیه ناسخ شهرت
بعد استنان سر خیل انخن نکته دانان **مستشو**

معانی راز فکرش سر مکتب	سخن راز خیالش راجبند
بهشته غنای بیان راصفیر است	صبر یغام اشک بس دینیر است
پهین شاگرد عقل کل عاقل	بهین فروزنده آبی علو
گزین معنی شناس رو نگار است	چنانزاید بیغ آموزگار است
دین فن افتخار بمنز بانان	سرود و فتر شبوایانان
ظاظون فطرتی حکمت تراز	به جولانگاه معنی یک تراز
چو بر آذری در درفشانی	ز کلکش بریش گنج معانی
ورق از فلک او گلزار گشته	ز صهبای سخن شکار گشته

مودیش صافی منش سوده خوی فرد بهید کشش نیز گشت با کیزه کویز
خوشه زشت آرم گستر کین گزار مهر برور خورشید فروغ کیوان قر
نکو بهش کوه تنابش سنا گشته معنی راده خدا سر نامر و فاد فووت
دعه نادل جبا و مروت درک معنور روح مجسم عالم جان و جان عالم

والا حسب عالی نسب. ستمی وصی واپسین دستور آواش حضرت
 چارمین پستور اعنی استادی مرشدی مولای اتی میرزا اسد الله خان مبارک
عالم **الشمس** **کمال الکلام** بد مجموعه بقایا و حصل
 الموام بحیوناته لقایا. پوشش آئین نیاز گستر محمد ضیاء الدین نیز
 از دیرباز و الاشی اندیش است در آن اندیشیدی و گرانی خدایک
 اندران سنجیدی که این گرامی برادرزاده کاراک بیکان بیکان خلعت الصدق
 دو دمان جنمیر بل ابوالبابی مضامین دلپذیر است به تعلیم نو آموزان
 کمناز به شناس برکنیز و این ازنده جواهر باره کاراک هر یک از آن
 ستمین ساعد شخص خود را یاره دنا زمین بیکر بوش را گوشواره است
 به شمع میطاف شناسائی بر آویزد. باری کار سازان بزرگ
 هزاران سپاس که درین زمان که ستم مقدسه حجب بنوبه علی صاحبها
 افضل التحیات و اکمل الصلوات به یکیز آرد و است ^{۱۲۵۲} و پنجه و چار سیم
 آن دیرین بسج و دشین آرد و مباحثت دور کار است تجارت قلاو
 نجفت بیدار خوشتر از آن که بنجو استمزدانی گرفت. شاد کامی در دل
 جاگزید و اندوه تردد کرد و آوری بدر رفت. چون باحصای افراد

این هابون صحیفه شنائتم بکلی اشعار شعری شاعر عرب و صید
 قطعه و رباعی هزار و پانصد و پنجاه و اندیاقستم
 الا با تو انا هو شان هموشی و شنو اکو شان گوشه پر شا هراه
 شناخت فراوانی میگو معانی باید رفت نه در پیغوله پیغاره ز
 خرده بر قلت ابیات گرفت چنانکه خود آن والا آموزگار در گذارش
 این هنجار به پارسی نامه خوشن در پرده ساز آن گفتار خود میرایه

مکوبیم تا نباشد نقره غالب

اری راست میفرماید مقطع

از من یاد کاسی و بری دیگران یاد

چه غم گریست اشعار من اندک

فتی دهن
 فتح حسن

دیوان غالب

إضافات

ذاکر مسعود مدین الرحمن

- اصناف وادکام غالب کی توقیت ۱۷۳
- توضیحات و تملیحات ۱۸۹
- اردو ترجمہ — دیباچہ غالب ۲۱۶
- فارسی خاتمے کا اردو ترجمہ ۲۱۷
- فہرست اشعار لفظی و کتبویہ ۲۲۱
- مرثیہ کا سوانحی خاکہ ۲۲۹
- انگریزی میں "نست کوئید" کا مختصر تعارف 4-6

$$\frac{174 = 173 + 1}{174}$$

توقیت:

اصناف وار کلام غالب کی زمانی حد بندی

زیر نظر نئے (نئے نسخہ) میں شامل غالب کی قدیم ترین نگارش پہ گمان غالب ۱۸۱۲ء کی ہے۔ اس کا زمانی قرین، غنائی کے نام غالب کے ایک خط (موردہ: ۲۷ جولائی ۱۸۶۳ء) سے ہاتھ آتا ہے۔ دیوان غالب (آردو) کا قدیم ترین دستیاب خطی نسخہ ۱۸۱۶ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ تمام وکمال غالب کے اپنے خط و قلم سے لکھا ہوا ہے۔ غالب نے یہ نسخہ مولانا امتیاز علی خاں عریضی کے بقول مشکل ۱۳۳۱ھ کو تمام کیا۔ جو ۱۱ جون ۱۸۱۶ء کے مطابق ہے۔ (مقدمہ، نسخہ عریضی، طبع دوم، دہلی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۸۵) اس نسخے کی ساری غزلیں اور نثریامیات گویا حد سے حد ۱۱ جون ۱۸۱۶ء تک کی زائیدہ نظر ہیں۔ اس خطی نسخے (۱۸۱۶ء) کے حاشیوں پر کچھ غزلیں وغیرہ بڑھائی گئی ہیں۔ یہ اضافہ غالب کے قلم سے نہیں ہے۔ ان اشعار کو اس نسخے کے اتمام و تکمیل (۱۸۱۶ء) کے کچھ بعد کا کلام خیال کرنا چاہیے۔

دیوان غالب کا مخطوطہ دوسرا قدیم نسخہ انجم شہر مقررہ مخطوطہ ۱۲۳۷ھ (یکم نومبر ۱۸۲۱ء) کا کتابت کردہ ہے (کاتب حافظ نعیم الدین)۔ یہ حقیقی نسخہ نواب سکندر جہاں بیگم والدہ بہوپال کے چھوٹے ماسوں میاں فوجدار محمد خاں بہادر، بہوپال کے کتب خانے میں محفوظ تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے: غالب کا طبعی سرمایہ، ڈاکٹر سید نعیم الرحمن، لاہور ۱۹۸۹ء، صفحہ ۸۲-۹۹)۔ یہ نسخہ، غالب کا دیکھا ہوا ہے۔ ”ترمیمات و اصلاحات کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں خود غالب کے سوا کسی اور کے قلم کی طرف منسوب کرنا مشکل ہے۔“ اس میں جو کلام، اولین قلمی نسخے حلقہ غالب (۱۸۱۶ء) سے زاید ہے، اُسے ۱۸۱۶ء اور ۱۸۲۱ء کے درمیان کا حاصل ماننا چاہیے۔ کچھ غزلیں، اس نسخے کے حاشیوں پر اور کچھ آخر کے سادہ اوراق میں بڑھائی گئی ہیں۔ یہ مختلف خط اور قلم سے ہیں۔ یہ اضافی کلام ۱۸۲۱ء کے کچھ بعد کا ہونا چاہیے۔

تقدیم زمانی کے اعتبار سے دیوان غالب کا تیسرا قلمی نسخہ جو کبھی پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی ملکیت رہا تھا،

”نئو سٹیرانی“ کے نام سے سن وین فوٹو آفسٹ کی شکل میں چھپ کر غالب دوستوں کی دھڑوں میں ہے۔ یہ نسخہ ۱۸۲۶ء کا ہے۔ اس کی ترتیب کا کام سر نکلتے سے پہلے (اپریل ۱۸۲۶ء) میں مکمل ہو چکا تھا۔ پچھلے نسخوں کے مقابلہ میں ”نئو سٹیرانی“ کے متن میں جو کلام ہے، وہ گویا ۱۸۲۶ء اور اس کے حواشی کا اضافہ شدہ کلام ۱۸۲۶ء کے کچھ بعد کی تخلیق ہے۔

”نکل رعنا“ غالب کے اردو دور قاری کلام کا پہلا انتخاب ہے، جو غالب نے ۱۸۲۸ء کے اواخر میں خود اپنے قلم سے تمام و کمال نقل کر کے، تیار کیا (تفصیل کے لیے رجوع کیجئے: غالب کا طبعی سرمایہ، ایضاً، صفحہ ۴۷۵-۵۳۷)۔ ”نئو سٹیرانی“ سے خارج اور ”نکل رعنا“ میں شامل اشعار کو ۱۸۲۸ء تک کا ماننا چاہیے۔

کتاب خانہ رضائیہ، راپور میں ۱۸۳۳ء کا کتابت کردہ ”دیوان غالب“ کا ایک مخطوط موجود ہے۔ اس میں جو غزلیں ۱۸۲۸ء تک کے پچھلے نسخوں سے زائد ہیں، وہ گویا ۱۸۳۳ء تک کی تخلیق ہیں۔

شیخزاد کا تذکرہ ”گلشن بے خار“ (اواخر ۱۲۵۰ھ) (اپریل ۱۸۵۳ء) کی تالیف ہے۔ غالب کے ایک شعر کا امکانی زمانہ تحریر اس تذکرے کے حوالے سے بھی متعین ہوتا ہے۔

دیوان غالب کا ایک نسخہ بدایوں میں دریافت ہوا۔ یہ سال ۱۸۳۸ء کا مرتبہ نسخہ ہے۔ عرشی صاحب نے اس کا تعارف کر لیا ہے (مقدم، نسخہ کوثری، طبع دوم، صفحہ ۹۰۶-۱۱۱)۔ اس نسخے میں کچھ کلام حاشیوں پر مندرج ہے۔ یہ وہ اشعار ہیں جو اس نسخے کی ترتیب (۱۸۳۸ء) کے بعد کہے گئے۔ یہ پچھلے نسخوں میں موجود نہیں لیکن دیوان غالب طبع اول (دہلی، اکتوبر، ۱۸۴۱ء) کا حصہ ہیں۔ اس سے ان اشعار کے زمانہ تخلیق کا تعین ہوتا ہے۔

غالب کی ایک مدحیہ غزل کے زمانہ تحریر کا قریب بہ یقین تخمینہ نواب قمر حسین خاں کی وفات کے حوالے سے کیا جا سکا۔

غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۱ء میں دہلی سے چھپا۔ اس میں کوئی شعر ایسا نہیں جو پچھلے قلمی نسخے سے زائد ہو۔ غالب کی زندگی میں ان کے اردو دیوان کا دوسرا ایڈیشن مئی ۱۸۴۷ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ مئی ۱۸۴۷ء کے بعد سے اگست ۱۸۵۲ء تک کے سارے کلام کا زمانی تعین، زیر نظر نسخے، ”نسخہ کوثری“ کی مدد سے ممکن ہو سکا۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے بقول دیوان غالب کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) کا ایک مطلوبہ نسخہ ۱۹۳۷ء کے بعد ایک پرانی کتابیں بیچنے والے سے ملا۔ یہ ناقص ہے، اس میں صفحات ۲۵ تا ۴۰ سرے سے موجود ہی

نہیں۔ مرثیٰ صاحب کے بقول اس کے آخری سادہ اوراق پر غالب کا وہ کلام نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اس دیوان کی اشاعت (۱۸۴۷ء) کے بعد کہا تھا۔ (نحوۃ مرثیٰ، طبع اڈل، دیا چھ م ص ۹۷)۔ ناقص، مجہول الاسم ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اعدان کب کیا گیا۔ اب یہ ایڈیشن کہیں محفوظ بھی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب بھی نہیں ملتا۔ اس لیے اس اعدان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سارا کلام، زیرِ نظر قلمی نسخے، نسخہِ خواجہ کا اضافہ اور امتیاز ہے۔

کسی خطی یا مطبوعہ مافذ کے کچھ اشعار، کسی نسبتاً قدیم اور معتبر مافذ و مصدر میں پائے گئے تو ان سب اشعار کو قدیم تر مافذ میں شامل اور شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ابتداً پوری غزل یا مکمل قصیدہ، یا قطعہ نہ بھی صورت پذیر ہو سکا ہو، تو اس کی اساس اور بنیاد، بہر حال اس قدیم تر مہدی میں رکھی اور پڑی تھی۔ مختصر یہ کہ بعد کے عہد میں کوئی چیز، کسی کچھیلی زمین (قافیے، ردیف اور وزن) میں پائی گئی تو قدیم کا تسلسل یا توسیع مان کر، اسے قدیم تر مافذ میں شامل رکھا گیا ہے۔ مثلاً دیوان غالب کی پہلی معروف غزل:

فصل فریادی ہے کس کی شوئی تحریر کا

کاغذی ہے جیہاں ہر جیکر تصویر کا

کی ابتدائی صورت ۱۸۱۶ء کے قدیم ترین دستیاب مافذ میں ملتی ہے۔ اس غزل کو اصلاً ۱۸۱۶ء یا قریب ماقبل ہی کی تخلیق و تالیف مانا جاتا چاہیے۔ کلام کے زمانی تعین کے لیے یہ قاعدہ کا لید اس گہتا رضا کا اختیار کردہ ہے۔ میں اس سے انحراف کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔ زیرِ نظر کام کی ترتیب و تفصیل کے سلسلے میں اسی روش کو رہنما بنایا گیا ہے۔ ذیل میں صنف وار، زمانی ترتیب کا گوشوارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۲)

غزلیات

۱۸۱۴ء کے لگ بھگ کی غزل

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے

صوفی: ۸۸

۱۸۱۶ء یا اس سے پہلے کی غزلیں:

۳

فصل فریادی ہے کس کی شوئی تحریر کا

صفحہ ۳	جراحت تھن، الماس ارمغان، دارغ جگر چہ
۶	شمار سچ مرغوب بہت مشکل پسند آیا
۸	سراپا رہی عشق و ناگزیر کھنچ ہستی
۹	شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آپ تھا
۱۴	اسد ہم وہ جنوں جولاں گداے بے سرو پا ہیں
۱۴	پنے نذر کرم، تھن ہے شرم نارسائی کا
۱۵	گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
۱۶	قطرہ نے، بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
۱۷	یک ذرہ زمیں نہیں بیکار بارغ کا
۲۰	اپ ٹٹک، در ٹٹکی نردگیاں کا
۲۰	شب کہ وہ مجلسِ فردوزِ خلوت ناموس تھا
۲۱	مرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
۲۳	سرمہِ مطبِ نظر ہوں، مری قیمت یہ ہے
۲۳	غافل بہ وہم ناز خود آرا ہے، ورنہ پاں
۲۳	لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
۲۶	افسوس کہ دغاں کا کیا رزق ٹٹک نے
۲۶	آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو ہزار دوست
۲۷	گلشن میں بندوبستِ برنگِ دگر ہے آج
۳۲	صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر
۳۳	جنوں کی دھگیری کس سے ہو، گر ہو نہ عریانی
۳۳	ستم کشِ مصلحت سے ہوں کہ خواہں تھہ پہ عاشق ہیں
۳۳	فارغ مجھے نہ جان، کہ بامید صبح و مہر
۳۵	وہبتِ سخی کرم دیکھ کر سر تا سر خاک

- ۳۶ صوفی: نہ لیوے گرنس جوہر، طراوت ہنرۂ عطر سے
- ۳۶ چادرۂ رہ خُور کو وقتِ شام سے تار شعاع
- ۳۶ زرخِ نگار سے ہے سوزِ چادرانی شمع
- ۳۷ ہم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش
- ۳۸ گر تجھ کو ہے یقینِ اہایت، دعا نہ مانگ
- ۳۸ غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس
- ۳۹ یہ نالہ حاصلِ دل بنگلی فراہم کر
- ۴۰ لوں دامِ عطفِ غفلت سے یک خواب خوش، ولے
- ۴۱ عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
- ۴۵ مت مرا عجب دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
- ۴۵ بر کمالِ گریہ عاشق ہے، دیکھا چاہیے
- ۴۸ جہاں حیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
- ۵۰ ہو گئی ہے غیر کی شیریں بھائی کارگر
- ۵۰ قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دھبہ قیس میں آنا
- ۵۰ دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تھا بیٹھنا
- ۵۱ زمانہ سخت کمِ آزاد ہے، بہانِ اسد
- ۵۴ نہیں ہے غم کوئی بچنے کا درِ خور مرے تن میں
- ۵۶ حسد سے دل اگر افسردہ ہے، گرم قاشا ہو
- ۵۹ از مہر تا پہ وزہ دل، و دل ہے آئینہ
- ۵۹ ہے ہنرہ زار، ہر ذرہ و دیوارِ غم کدہ
- ۶۵ تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
- ۶۵ ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا، سو بھی مٹ گیا
- ۶۶ مری ہستی، فطائے حیرت آباد تمنا ہے

رجم کر عالم ا کہ کیا بود چراغ کشف ہے
 چشم خواباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
 ہے آرمیدگی میں نکوہش بہا، مجھے
 کارگاہ ہستی میں لالہ، دارغِ سلماں ہے
 آگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
 جنوں جہت کشِ حسیں نہ ہو، مگر شادمانی کی
 نکوہش، ہے سزا، فریادی بیدادِ دلبر کی
 تھومِ ظم سے، یاں تک سرگونی مجھ کو حاصل ہے
 پا پہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں صحرا نورد
 نقشِ ناز بہت طکارز پہ آغوشِ رقیب
 کشن کو تری صحت از بس کہ خوش آئی ہے
 سیما، پخت گرمی آئینہ دے ہے، ہم
 ہے وصل، ہجرِ عالمِ حسیں و ضبط میں
 چاک کی خواہش اگر وحشت پہ عریانی کرے
 چشم سے میری، وقتِ کشِ کشِ ہر تارِ بستر ہے
 خطر ہے، رشقِ الفت، رگ گردن نہ ہو جاوے
 نہ پوچھ نسیں، مرہمِ جراحتِ دل کا
 کرے ہے پادہ ترے لب سے کپ رنگِ فروغ
 کیوں نہ ہو چشمِ بیاں، بھو تھاقب کیوں نہ ہو؟
 یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہِ یارب مجھے
 زبکہ مطلق تماشا، جنوں علامت ہے
 نقشِ ہا شاداب رنگ و سازِ ہا مستِ طرب
 عرضِ ناز شوئی دنیاں، براے فائدہ ہے

۹۵: صفر: حسن ہے پرو، خریدار متاع جلوہ ہے
 ۹۷ باغ، پا کر نفعاتی، یہ ڈراتا ہے مجھے
 ۹۷ کوہ کے ہوں بار خاطر، گر صدا ہو چاہیے
 ۹۸ مستی، یہ ذوق شعلہ ساقی، ہلاک ہے
 ۹۸ لب عینی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ بھنبانی
 ۹۸ آمد سیلاب طوفان صدا آپ ہے
 ۹۸ ہوں میں بھی تماشا بی نیرنگ تماشا،
 ۹۸ سیای مجھے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر
 ۹۸ نجوم نال، حیرت عاجز عرض، یک افلاک ہے
 ۹۹ غوطیوں میں، تماشا ادا لگتی ہے
 ۹۹ جس جا ضمیمہ شانہ کش زلف بار ہے
 ۱۰۰ آئینہ کیوں نہ ڈوں کہ تماشا کہیں جسے
 ۱۰۰ شبنم پہ گل لالہ نہ خالی نہ ادا ہے

۱۸۱۶ء یا اس کے کچھ بعد کی غزلیں

۴۰ وہ فراق اور وہ وصال کہاں
 ۵۵ لہجہ ناگوار کو دور سے مت دکھا کہ یوں
 ۵۶ داورت اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
 ۶۳ کیا شک ہم حتم زدگان کا جہان ہے
 ۶۳ حد سے میرے، ہے تھک کو بے قراری، ہائے ہائے!
 ۶۷ عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
 ۷۵ بحر کچھ اک دل کو بے قراری ہے
 ۷۷ بے اعتدالوں سے شک سب میں ہم ہوئے
 ۸۶ جس زخم کی ہو سکتی ہو تھوڑی رو کی

۱۸۱۶ء اور ۱۸۴۱ء کے مابین کی غزلیں:

۳۴۔ سلی۔ حریج مطلب مشکل نہیں، فسوں نیاز
 ۳۵۔ نہ گلِ نغمہ ہوں، نہ پردہ ساز
 ۳۷۔ دلم پر چھڑکیں کہاں طغیان ہے پروا تک
 ۳۸۔ آہ کو چاہے اک عمر اثر ہوتے تک
 ۴۲۔ ہم سے کھل جاؤ۔ وقت ہے پستی ایک دن
 ۵۱۔ تیرے توں کو صبا باندھتے ہیں
 ۶۰۔ صد جلوہ زد ہے جو مڑگاں اٹھائیے
 ۶۱۔ بساطِ بلور میں تھا ایک دل، یک قطرہ غم وہ بھی
 ۶۱۔ ہے بزمِ نقاں میں غم، آرزو لبوں سے
 ۶۲۔ غم دیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
 ۶۲۔ حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرابی!
 ۶۳۔ سرشتگی میں، عالم ہستی سے پاس ہے
 ۶۳۔ گر خاموشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے
 ۶۸۔ رفتارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے
 ۷۷۔ جو نہ تھو دماغِ دل کی کرے شعلہ پاسانی
 ۷۹۔ آ، کہ میری جان کو قرار نہیں ہے
 ۸۱۔ نہ ہوئی گر میرے نرنے سے تسلی نہ سہی
 ۸۳۔ تغافلِ دوست ہوں میرا دماغِ بلور عالی ہے
 ۸۷۔ ہر قدمِ دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
 ۹۵۔ جب تک دہانِ دلم نہ پیدا کرے کوئی

۱۸۲۱ء پاس کے کچھ بعد کی غزلیں:

۵۔ دھکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
 ۸۔ محرم نہیں ہے تو ہی نواہے راز کا

- ۱۰ صلی: ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
 ۲۳ عشرتِ قطره ہے دریا میں نڈا ہو جانا
 ۲۵ پھر ہوا وقت کہ ہو ہال ٹکھا نوج شراب
 ۲۶ رہا مگر کوئی تا قیامت سلامت
 ۲۶ نہ تھیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
 ۳۵ مزہ اے ذوقِ اسیری! کہ نظر آتا ہے
 ۳۸ ہے کس قدر ہلاک فریبِ وفائے گل
 ۳۳ مانعِ دشتِ نورددی کوئی تھوڑ نہیں
 ۶۰ مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے
 ۶۸ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رنگ آ جائے ہے
 ۷۰ گرمِ فریاد رکھا شکلِ لہائی نے مجھے
 ۹۳ بھی بچی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے

۱۸۲۶ء کا اس سے پہلے کی غزلیں:

- ۱۲ دوستِ غمِ غلادی میں بری سنی فرماویں گے کیا؟
 ۳۳ عشقِ تاثیر سے نوسید نہیں
 ۵۳ دیوانگی ہے، دوش پہ ڈھار بھی نہیں
 ۵۵ حرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 ۸۲ جب نشاط سے جفا کے چلے ہیں ہم آگے
 ۹۰ فریاد کی کوئی نے نہیں ہے
 ۹۱ دیکھ کر درپردہ گرم دامنِ افلاکی مجھے

۱۸۲۶ء کے کچھ بعد کی غزلیں:

- ۶ ستائیں مگر ہے زامہ اس قدر جس باغِ رضوں کا
 ۳۱ آہو کیا خاک اس گل کی کہ گشتن میں نہیں

۴۸: صلی: ذکر میرا، یہ جی بھی اسے منظور نہیں
 ۴۹: تار جز حسنی طلب اسے ختم ایہاد نہیں
 ۵۸: داں پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو
 ۷۸: عظمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
 ۸۳: کب وہ، سنتا ہے کہانی میری

۱۸۲۸ء کی غزل:

۷۰: سدا کی پر اس کی، مر جانے کی حسرت دل میں ہے

۱۸۳۳ء کے مخطوطے کی غزلیں:

۴۷: لو، ہم مریض عشق کے بیمار دار ہیں
 ۴۸: کیوں جل گیا نہ تاب زہخ یار دیکھ کر
 ۴۹: مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور
 ۴۳: مہرباں ہو کے بلاؤ مجھے، چاہو جس وقت
 ۵۰: یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
 ۵۷: داں اس کو بول دل ہے تو یاں ہوں میں شرمسار
 ۵۹: رہے اب ایسی جگہ چل کر، جہاں کوئی نہ ہو
 ۶۲: گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
 ۶۶: دلیس میں گزرتے ہیں جو کوپے سے وہ میرے
 ۷۱: دل سے جری نگاہ چکر تک اتر گئی
 ۸۰: جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے

”کاکلہنی بے خاز“ (۱۸۳۵ء) میں شامل بیت:

۶۸: زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب

۱۸۳۸ء کے محفلو طے کے حاشیوں کی غزلیں، جو ۱۸۴۱ء تک کسی وقت لکھی گئیں:

- ۵۸: سنی: دھوتا ہوں جب میں چہنے کو اس سیم تن کے پانو
۶۱: ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
۹۰: ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
۹۳: لافرا اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے

۱۸۴۵ء کی غزل:

- ۱۰۴: نوید امن ہے بے دلو دوست، جان کے لیے

۱۸۴۷ء تک کی غزلیں:

- ۴۲: کی وفا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
۴۳: ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
۴۵: جلتی ہے خوسے یار سے نار، اجہاب میں
۴۶: کل کے لیے کر آج نہ بخت شراب میں

مئی ۱۸۴۷ء کے بعد اگست ۱۸۵۲ء تک کی غزلیں:

زیر نظر محفلو طے "نسیخہ خواجہ" کا اضافہ:

- ۸: بزم شادشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
۱۳: یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
۱۶: میں اور بزم سے سے یوں تھکے کام آؤں!
۱۷: گھر ہمارا جو نہ روئے بھی تو دیراں ہوتا
۱۷: نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
۱۹: ہوتی تاخیر تو کچھ ہامیہ تاخیر بھی تھا
۲۲: ذکر اس پری دق کا اور پھر جاں اپنا
۲۳: بخار سے باز آئے، پر باز آئیں کیا

- صفحہ ۲۹ گھر جب بنا لیا جڑے در پر کبے بغیر
- ۳۱ ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اور
- ۳۳ لازم تھا کہ دیکھو ہر ا رستا کوئی دن اور
- ۴۷ حیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پٹیاں جگر کو میں
- ۵۰ دونوں جہاں دے کے وہ کبھے یہ خوش رہا
- ۵۱ دائم پڑا ہوا جڑے در پر نہیں ہوں میں
- ۵۲ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نہایاں ہو گئیں
- ۵۸ تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
- ۶۸ اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
- ۷۲ مسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
- ۷۲ کوئی دن گر زندگانی اور ہے
- ۷۳ کوئی اُمید پر نہیں آتی
- ۷۳ دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے،
- ۷۴ کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالبہ سو آئے
- ۸۰ کس نے یہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
- ۸۲ ٹھکڑے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
- ۸۳ ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے؟"
- ۸۴ میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں،
- ۹۲ حضور شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
- ۹۶ یوں مریم ہوا کرے کوئی،
- ۱۰۱ منظور تھی یہ شکلِ حنیف کو نور کی،
- ۱۰۲ غم کمانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے

قصائد

۱۸۲۱ء تک کے قصیدے:

- ۱۰۵ صفحہ ساڑھ ایک ڈڑہ، نہیں فیضِ جن سے بے کار
 ۱۰۷ دہر، جزِ جلوہ یککائی معشوق نہیں
مئی ۱۸۲۷ء کے بعد اگست ۱۸۵۴ء تک کے قصائد، زیرِ نظر مخطوطے "نیلو خولہ" کا اضافہ:
 ۱۰۹ ہاں میر نو نہیں ہم اس کا نام
 ۱۱۳ صبح دم دروازہ خار کھلا

قطعات

فروری ۱۸۲۸ء سے نومبر ۱۸۲۹ء تک کی مدت کا قطعہ:

- ۱۱۷ ہے جو صاحب کے کتب دست پہ یہ چمکنی ڈلی
۱۸۳۳ء کے مخطوطے کا قطعہ:
 ۱۱۷ ٹھٹھے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نہیں
۱۸۴۸ء کے مخطوطے کے حاشیے کا قطعہ جو ۱۸۴۹ء تک کسی وقت لکھا گیا:
 ۱۱۶ مجھے وہ دن کہ ناداشتِ فیروں کی وقار داری
اگست ۱۸۳۵ء اور مئی ۱۸۳۷ء کے مابین کا قطعہ:
 ۱۱۸ نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے

مئی ۱۸۳۷ء کے بعد اگست ۱۸۵۲ء تک کے قطعات، زیر نظر غلطے ”نسو ٹوپیج“ کا اضافہ:

- ۱۱۸ صفحہ ۱۱۹
اے شہنشاہ فلک مظهر ہے شکل و مدخل
منظور ہے گزارش احوال واقعی

(۵)

رُباعیات

۱۸۱۶ء یا اس سے پہلے کی رُباعیاں:

- ۱۳۰ بعد از اتمام بزم صید اطفال،
۱۳۰ شب ذلف و زرخ عرق فشاں کا غم تھا،
۱۳۱ دل تھا کہ جو چاہا درد تمہید سہی،
۱۳۱ ہے خلق، حسد قفاش لانے کے لیے

۱۸۲۱ء یا اس سے پہلے کی رُباعی:

- ۱۳۲ مشکل ہے زبں کلام میرا، اے دل

۱۸۳۲ء کے غلطوٹے کی رُباعیاں:

- ۱۳۱ آنکھ بازی ہے جیسے طفل اطفال
۱۳۱ دل سخت نژد ہو گیا ہے گویا
۱۳۱ دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب

۱۸۳۸ء کے غلطوٹے کے حاشیوں کی رُباعیاں جو ۱۸۳۱ء تک کسی وقت لکھی گئیں:

- ۱۳۲ کتنی ہے جو مجھ کو شاد جم چاہ نے دال
۱۳۲ ہیں شہد میں صفات ذوالجلالی باہم؟

مئی ۱۸۳۷ء کے بعد، اگست ۱۸۵۲ء تک کی رُباعیاں، زیر نظر غلطوٹے ”نسو ٹوپیج“ کا اضافہ:

- ۱۳۲ حق، شہد کی پتا سے خلق کو شاد کرے
۱۳۲ اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ ہوا

توضیحات و تعلیقات

نکسی متن صفحہ: ۱، سطر ۲

”نہ چو بہانی سگ ڈوپ“

مولانا حامد علی خاں نے پروفیسر وزیر الحسن عابدی کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالب نے ”ڈوپ“ کے بجائے ”کروب“ لکھا ہو گا۔ لفظ ”کروب“ کسی لکھت میں نہیں ملتا۔ (حاشیہ: دیباچہ دیوان غالب، مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء) یہ بات درست نہیں۔ ”دخیو“ طبعِ ازل، آگرہ نومبر ۱۸۵۸ء، نیز ”دخیو“ کے قلمی نسخے محفوظ کتب خانہ راجپور کے حاشیہ پر ”ڈوپ“ کا لفظ لکھا ہوا ملتا ہے۔ جسے غالب نے ”ضرب“ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ دیکھیے: فرہنگ غالب، مرتبہ: مولانا امتیاز علی خاں عرشی، راجپور ۱۹۴۷ء، صفحہ ۱۳۶۔

صفحہ: ۲، سطر ۲

”..... آں رخشندہ آذر“

”آذر“ بہ ذال مثکہ (دال منقوط) سے لکھا گیا ہے مگر جیسا کہ عرشی صاحب نے (دیوان غالب، طبع دوم، صفحہ ۱۴۹) توجہ دلائی ہے، خود غالب نے ایک موقع پر صراحت کی ہے کہ ”آذر“ بہ ذال ہے نقطہ ہے، ”آذر“ بہ ذال منقوط نہ ہا۔ [درفش کا دیانی، طبعِ ازل، اکمل المطابع، دہلی، نومبر ۱۸۶۵ء، صفحہ ۱۳]

صفحہ: ۳، سطر ۱

غالب نے اپنے اردو دیوان کے لیے فارسی میں یہ مختصر سا دیباچہ ۱۸۳۳ء میں لکھا، (تاریخ اتمام، ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۴۸ ہجری ۱۸۶۱ء تا اپریل ۱۸۳۳ عیسوی)۔ اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال کی رہی ہو گی۔ اُس کے بعد وہ ۳۶ برس ہی گزرے۔ اس فارسی دیباچے کو غالب نے صیغی حیات، اپنے اردو دیوان کی ہر اشاعت میں شامل رکھا۔

صفحہ: ۹

ستائش کر ہے زلف اس قدر جس باغِ رضوں کا

صفحہ: ۳۱

آہو کیا خاک اُس گل کی کرکشن میں نہیں،

صفحہ: ۳۸

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں

صفحہ: ۳۹

نالہ جز حسنی طلب، اے ستم ایجاد نہیں

مندرجہ بالا چار غزلیں، غالب نے باندہ (بندیل کنڈ) کے دوران قیام کہیں جو غالب کے سفرِ کلکتہ کی ایک منزل تھی — غالب ۲۲ جون ۱۸۴۷ء کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۲۵ جون ۱۸۴۷ء کو کانپور پہنچے۔ یہاں دو تین روز قیام کے بعد معلوم یہ ہوتا ہے کہ غالب جولائی ۱۸۴۷ء کے پہلے پہلے میں باندہ پہنچے ہوں گے۔

[ڈاکٹر حنیف نقوی، غالب — احوال و آثار، لکھنؤ ۱۹۹۰ء، صفحہ ۷۸]

کانپور اور باندہ کا قاصل نوے میل، یعنی لکھنؤ اور کانپور کی درمیانی مسافت پینتالیس میل سے دوگنا ہے۔ اُن کی معلوم رفتارِ سفر کے پیشِ نظر اس فاصلے کے طے کرنے میں زیادہ سے زیادہ آٹھ روز صرف ہوئے ہوں گے۔ یہاں وہ چند ماہ (اکتوبر ۱۸۴۷ء تک) اپنے ایک بزرگ نواب ذوالفقار علی خاں بہادر کے مہمان رہے۔

[ایضاً، صفحہ ۷۹-۸۰]

مذکورہ بالا چاروں غزلیں اسی زمانے کا حاصل ہیں اور نسخہِ مطبوعہ (۱۸۴۶ء) کے حاشیوں پر "از باندہ فرستادہ" یا "از باندہ رسید" کے تحت درج ملتی ہیں۔

کلکتے سے دہلی واپسی پر بھی "باندہ" ان کی ایک منزل رہی۔ واپسی کے سفر کا بڑا حصہ کھنٹی کے ذریعے طے ہوا۔ اگست ۱۸۴۹ء کے وسط میں کلکتے سے روانہ ہو کر وہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو باندہ پہنچے اور چند روز یہاں قیام رہا۔ [ڈاکٹر حنیف نقوی، ایضاً، صفحہ ۸۳]۔ باندہ کے اس چند روزہ قیام میں غزلیں کہہ کر دہلی بھیجنا اس لیے خالصتاً از قیاس ہے کہ اس وقت وہ خود دہلی ہی جا رہے تھے جہاں پانچ فروری ۱۸۴۹ء کو ان کا درود ہوا۔

ہاندہ میں غالب کے میزبان نواب ذوالفقار علی خاں بہادر (حاکم ہاندہ، متوفی ۱۸۳۹ء) نے نہ صرف اُن کی میزبانی کی بلکہ مالی امداد بھی دی اور ہاندہ سے نکلنے کے سطر خراج کے لیے قرض کا انتظام بھی کیا۔ غالب کے فاری کلام میں کئی جگہ نواب ذوالفقار بہادر کا نام آیا ہے۔ دیکھیے: سلاطینہ غالب، مالک رام، دہلی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۴۸۔

صفحہ: ۱۴

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا؟

نہ ہو مرنا تو جینے کا حرا کیا۔

”نسخہ شیرانی“ (۹-الف) کے حاشیے پر یہ غزل مظلّم غالب درج ہوئی ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عریشی (نسخہ سرکشی، دوم، صفحہ ۱۸۳) اور سیدہ قدرت نقوی (نسخہ شیرانی اور دوسرے مقالات، لاہور ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۱) بھی اسے مظلّم غالب مانتے ہیں۔

”نسخہ شیرانی“ کے حاشیے پر درج ہونے کے باوجود، بجا طور پر نقوی صاحب کا خیال ہے کہ ”یہ غزل بالتحقیق سفر نکلتے سے پہلے (اپریل ۱۸۳۶ء سے پیشتر) کی ہے۔ (ایضاً، صفحہ ۱۱، صفحہ ۱۵)

صفحہ: ۲۰

رہنے کے حصّے اُستاد نہیں ہو غالب،

کہتے ہیں ”اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا“

غالب کا یہ منقطع، اُن کی ۱۸۵۲ء کی ایک غزل کا ہے۔ اس وقت غالب، کوئی پچیس برس کی پانے کا عمر کو پہنچ کر، بھائے غلام مستاد وقت ہو چکے تھے۔ اس شعر میں غالب نے کسی قدر تحفظ کے ساتھ اعتراف میر کیا ہے۔

”کہتے ہیں“ کا نکتہ، میر سے ان کی کم احتمالی پر منظر ہے۔ اسی زمانے (۱۸۵۲ء) کے ایک خط میں نبی بخش حقیر سے اپنی ایک غزل کی داد ابن القلا میں چاہی گئی ہے

”بھائی، خدا کے واسطے غزل کی داد دینا! اگر ریت یہ ہے تو میر و مرزا کیا کہتے تھے؟“

اگر وہ ریت تھا تو پھر یہ کیا ہے؟ — (اگست ۱۸۵۲ء)

یہاں بھی غالب نے بین السطور میر و مرزا پر اپنے تفوق، اور اپنے مختلف یا منفرد ہونے کا جو احساس دلایا جا رہا ہے، اسے پانے کے لیے کسی غیر معمولی سوجھ بوجھ کی ضرورت نہیں۔

غالب، اوائل عمر میں میر سے بے حد متاثر اور ان کے بڑے مداح تھے۔ میر سے غالب کی فتنہ انگیزی، گزراہن وقت کے ساتھ مدغم نہ تھی۔ دیوان غالب "نستعلیقہ" (۱۸۴۱ء) کے حاشیے اور "نستعلیقہ" (۱۸۴۶ء) کے متن میں میر کے بارے میں غالب کے یہ دو قطعہ بند شعر ملتے ہیں۔

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گھٹن کشمیر نہیں
رہنے کا وہ قلعہ دی ہے بقول ناخ
"آپ بے بہرہ ہے جو معتمد میر نہیں"

میر کی تحسین میں، غالب نے جب یہ شعر کہے تو وہ کوئی چوبیس برس کے رہے ہوں گے، ان اشعار میں میر کے فن کا غیر مشروط اور بڑے کھلے دلی سے اعتراف ہوا ہے۔ غالب کے اولین انتخاب کا نام "گل رعنا" (۱۸۴۸ء) میں بھی یہ شعر شامل ہیں۔ لیکن ان اشعار کے کہے جانے کے بیس برس بعد، کوئی چوالیس برس کی عمر کو پہنچ کر جب ۱۸۴۱ء میں ان کا دیوان پہلی بار شائع ہوا تو غالب نے میر کی مدح کا پہلا شعر حذف کر دیا اور تیسرا مصرعہ ترمیم کے بعد یہ قرار پایا "غالب اپنا یہ عقیدہ ہے، بقول ناخ"۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ پہلی عمر کو پہنچ کر، جب غالب نے خود اپنی شناخت پیدا کر لی تھی، میر کے لیے، ان کے ہاں پہلی سی گرم جوش باقی نہیں رہی۔

صفحہ: ۲۲

ذکر اس چری ویش کا اور بحر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

یہ قول اگرچہ پہلی بار "نستعلیقہ" میں شامل ہوئی لیکن ایک ثانوی ماخذ کے مطابق یہ، ایک طری مشاعرے کے لیے (جو ۲۰ فروری ۱۸۴۸ء کو ایک تیموری شہزادے کے زیر اہتمام دہلی میں منعقد ہوا)، کہی گئی۔ دیکھیے، سلاش غالب، ڈاکٹر شاد احمد قادری، لاہور ۱۹۶۹ء، صفحہ ۸۴-۸۶۔

صفحہ: ۳۳

ہاں اے فلک چرا بجاں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرنے کوئی دن اور

مجھ سے تھیں غارت سہی خیز سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ قاتلا کوئی دن اور

یہ غزل کیا ہے، مرزا زین العابدین عارف (ولادت: ۱۸۸۱ء) کا دلدوز مرثیہ ہے جن کا انتقال اپریل ۱۸۵۲ء میں ہوا۔ یہ غزل گویا اسی زمانے کی ہے۔

سر سید احمد خاں نے ”آثار الصنادید“ کے پہلے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) کے چوتھے باب میں نواب زین العابدین عارف کی بڑی ستائش کی ہے۔ غالب کے بڑے عزیز شاگرد اور خوشگو شاعر عارف، غالب کی بیوی امراؤ بیگم کی بڑی بہن بنیادی بیگم کے بیٹے تھے۔ عارف کے والدہ (غالب کے ہم زلف) نواب غلام حسین خاں مسرور کی، اپنی بیوی بنیادی بیگم سے نہ بنی اور انہوں نے دوسری شادی کر لی۔

غالب کے بچے کم عمری میں انتقال کر گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عارف کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ عارف اور فردوسی غالب کے سلسلے میں دیکھیے۔ غالب دروہی خان، کالیداس گپتا رضا، بمبئی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۹۱-۱۰۸ء۔ حالی کے بقول ”عارف سے غالب کو غایت درجے کا تعلق تھا، کچھ تو قرابت کے سبب اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے۔“ ”جب وہ جوان عمر میں فوت ہوئے تو غالب اور ان کی بی بی پر سخت حادثہ گزرا۔ ان کے مرنے پر ایک غزل بطور نوست کے لکھی جو نہایت تبلیغ اور دردناک ہے۔“

[یادگار غالب، طبع ازل، کانپور، ۱۸۹۷ء، صفحہ ۷۳]

دوسرے شعر میں ”بچوں“ کا اشارہ عارف کے بیٹوں مرزا باقر علی خاں کامل (ولادت: ۱۸۴۷ء، وفات ۱۸۷۵ء) اور مرزا حسین علی خاں شاد (ولادت: ۱۸۵۰ء، وفات: ۲۷ ستمبر ۱۸۷۹ء) کی جانب ہے۔ ”نیر“ سے مراد نواب ضیاء الدین احمد خاں، نیر، رخشیاں (ولادت: اکتوبر ۱۸۴۱ء، وفات: جون ۱۸۸۵ء) سے ہے۔ نیر کے حالات میں دیکھیے، غالبیات، چند شخصیات اور غیر شخصی حوالے، کالی داس گپتا رضا، بمبئی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۴۲-۴۹ (۴۹)

نواب زین العابدین خان عارف کے انتقال کے وقت ان کے بیٹے مرزا باقر علی خاں کی عمر پانچ برس تھی اور حسین علی خاں دو سال کے تھے، عارف کے انتقال سے کچھ ماہ پہلے جنوری ۱۸۵۲ء میں عارف کی بیوی (کم سن بچوں کی والدہ) کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالب نے ان دونوں بچوں کو بہت عزیز رکھا۔ دونوں شاعر تھے، بڑے کا نظمیں کامل اور چھوٹے کا شادیاں تھا۔ اردو، فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ دونوں کی تعلیم و تربیت غالب کی زیر نگرانی ہوئی۔ باقر علی خاں کی شادی، غالب کی زندگی ہی میں، نواب ضیاء الدین احمد خاں خیز، رخشیاں کی بیٹی سے ہوئی۔

غالب کے ایام آخر حسین علی خاں کی شادی کے انتظامات و اخراجات کی فکر میں بسر ہوئے۔ مگر یہ شادی غالب کی وفات کے بعد ممکن ہوئی۔ یادگار غالب (حالی)، ملائکہ غالب (مالک رام) میں ان کے احوال و اشعار ملتے ہیں۔ کامل اور شاہاں کے کلام کے سلسلے میں دیکھیے رشید حسن خاں کا مضمون، مشمول: غالب نام، دہلی جنوری ۱۹۸۸ء، صفحہ ۸۶-۱۱۳

صفحہ: ۳۲

وحشت و شیفہ اب مرشد کہویں شاید
”مر گیا غالب آشفہ نوا“ کہتے ہیں!

اس شعر میں غالب نے اپنے دو معاصرین وحشت اور شیفہ کا حوالہ دیا ہے۔

وحشت تخلص، غلام علی خاں نام، ولادت قریب ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء۔ بھارت اور دہلی میں نشوونما پائی۔ مومن کے دوست اور شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انتقال ہوا۔ شیفہ نے ”گلشن بے خار“ (۱۸۳۵ء) میں وحشت کو ”شاعری کا بابوتاں اور آسمانی مضامین اور معانی کا روشن سورج“ بتایا ہے۔

وحشت، غالب کے کلامات فن کے بڑے قائل اور قدرواں تھے۔ حالی کے بقول ”سید غلام علی خاں وحشت، مرزا غالب کی نسبت کہتے تھے کہ اگر یہ شخص عربی کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعر میں دوسرا حبیبی یا ابوقحافہ ہوتا، اور اگر انگریزی زبان کی تکمیل کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔“

[یادگار غالب، طبع ازل، کانپور، ۱۸۹۷ء، صفحہ ۲۰۱]



”شیفہ کا نام، جن کا مذکور الصدر شعر میں ذکر آیا ہے، محمد مصطفیٰ خاں تھا۔ اردو میں شیفہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے (ولادت آخر ۱۸۰۹ء، وفات اواخر ستمبر یا اوائل اکتوبر ۱۸۶۹ء)۔ حالی نے جو غالب اور شیفہ دونوں کے ارشد ملائکہ میں سے تھے، ”یادگار غالب“ میں لکھا ہے کہ جب تک مومن زندہ رہے، شیفہ اُن سے مشورہ و خفی کرتے رہے۔ اُن کی وفات کے بعد رشتہ اور فارسی دونوں زبانوں میں وہ برابر غالب کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔

(ایضاً، صفحہ ۱۰۳)

خود غالب کو شیفہ پر بڑا ناز تھا۔ وہ اُن کی رائے کو خاص وقعت دیتے تھے اور اُن کے پایہ سخن نجی کے معترف تھے۔ غالب نے اُن کی مدح میں اک مستقل قصیدہ بھی لکھا، جو ان کے فارسی کلیات میں موجود ہے۔ غالب

نے اپنے زمانے کے مشہور اور مستند فارسی دانوں کا اپنی ایک نزل میں ذکر کیا ہے، اس میں بھی شیخو (حسرتی) کا نام لیا ہے۔

حالی کے بقول نواب مصطفیٰ خاں حسرتی اور سید غلام علی وحشت و غیرہم کا مرزا غالب کے عصر میں موجود ہوتا، ان کی شاعری کے حق میں ایجنہ ایسا تھا جیسا عربی و فقیری کے حق میں، خان خاں فیضی اور ابوالفضل کا — ان کے زمانے میں ہوتا۔ (ایضاً، صفحہ ۱۹۹)

وحشت، غالب سے پہلے ہی اللہ کو عزیز ہوئے اور شیخو، غالب کی وفات کے چند ہی ماہ بعد، ذیابیطس کے عارضے سے جو ایک زمانے سے ان کے لیے سوہانِ روح تھا، اللہ کو پیارے ہو گئے اور غالب آشفقہ نوا کا مرثیہ لکھنے کی نوبت نہ آ پائی۔

صفحہ: ۳۳

غالب! اپنا یہ عقیدہ ہے، بقول ناخ

”آپ بے بہرہ ہے، جو معتقد میر نہیں“

غالب کے حوالے سے شیخ نام بخش ناخ (۱۷۷۲-۱۸۳۸ء) کا یہ مصرعہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، ناخ کا مکمل شعر یہ ہے:

شبہ ناخ نہیں کچھ میر کی استادی میں

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

خلوٹ غالب میں بھی ناخ کا ذکر آیا ہے۔ تذکرہ ”جلوۂ شعر“ (جلد اول) میں صغیر بکراہی نے ناخ کے بارے میں غالب کی رائے کسی قدر تفصیل (مبالغے) سے پیش کی ہے۔

”غالب، اردو شعراء میں پہلے پہل ناخ کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟“ یہ سوال ڈاکٹر خورشید الاسلام نے اٹھایا ہے، دیکھیے: غالب — ابتدائی دور، ملی گزٹ، ۱۹۶۰ء، صفحہ ۸۹-۹۳

ڈاکٹر سید عید اللہ کہتے ہیں، غالب کو ناخ کے کام کا اگر کوئی پہلو اچھا لگا ہے تو وہ ہے، ان کا تعجب انگیز انفرادی انداز —، نہ کہ ان کے مضامین شعری جن میں نہ درد ہے، نہ تاثر، نہ حقیقت ہے، نہ صداقت۔“

(اطراف غالب، طبع دوم، لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۷۵)۔

غالب اور ناخ کے درمیان باہم موانست اور مراسلت کی حقیقی تفصیل کے لیے رجوع کیجئے ناخ — تجزیہ و

نقدیر، ڈاکٹر حبیب الرحمن نوسرووی، نکستو، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۳۷-۱۹۰، خود میر سے تاریخ کے رہا اور شغف کے لیے ملاحظہ کیجئے، مذکور الصدر ملاحظہ، صفحہ ۳۳-۳۶، نیز صفحہ ۱۳۸

صفحہ: ۳۵

ملتی ہے خوشے یار سے مار اہجاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

صفحہ: ۳۶

کل کے لیے کر آج نہ سنت شراب میں
یہ سوہ سخن ہے ساقی کوڑ کے باپ میں

غالب کی یہ دو غزلیں پہلی بار، ”دیوان غالب“ (طبع دوم، ۱۸۳۷ء) میں شامل ہوئیں۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ ”مرزا غالب نے مرصعے سے اردو شاعری قریب قریب ترک کر رکھی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۳۵ء میں لگا ہے گا ہے اردو غزلیں لکھنا شروع کر دی تھیں، چنانچہ — اس زمانے میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس میں، ذوق اور مومن نے طرغی غزلیں پڑھیں، مرزا غالب نے بھی دو غزل کہی

ملتی ہے خوشے یار سے مار اہجاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

[آثار غالب، طبع چہارم، بمبئی، صفحہ ۹۹-۱۰۰]
اس طرح غالب کی ان دو غزلوں کو ۱۸۳۵ء کا نتیجہ فکر خیال کرنا چاہیے۔

صفحہ: ۳۸

غالب! خدا کرے کہ سوار سمجہ تاز
دیکھوں ملی بہادر عالی گھر کو میں

اس حدیدہ مقلع میں نواب علی بہادر (جانی) دانی ہاندہ کی طرف بھیجا ہے۔
غالب، اپنی پائش کے قہقہے کے سلسلے میں ٹککتے جاتے ہوئے ۱۸۴۷ء کے نصف آخر میں چند ماہ ہاندہ میں نواب ذوالفقار الدولہ بہادر حاکم ہاندہ کے ہاں مقیم رہے۔ غالب کی ان سے کچھ واسطوں سے قرابت داری تھی۔

اگست ۱۸۳۹ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے علی بہادر (ثانی) ان کے وارث قرار پائے۔

نواب علی بہادر معین قرآن تھے، شعر کہتے تھے، علی نقشب تھا۔ غالب کے شاگرد رہے۔ غالب کے بعد منیر فقہ آبادی سے اصلاح لی۔ مالک رام نے قیام علی بہادر (ثانی) کا سال ولادت ۱۸۳۳ء بتایا ہے۔ اگست ۱۸۷۳ء میں انتقال ہوا۔ [ماخذ: خانقاہ غالب، مالک رام، دہلی، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۲۶-۳۳۵]

صفحہ: ۳۹

ہوں ظہوری کے مقابل میں غنائی غالب!

میرے دعوے پہ یہ جھٹ ہے کہ مشہور نہیں

غالب، شعرائے فارسی میں غزا نور الدین محمد ظہوری (ولادت ۱۱۵۳ھ، وفات: ۱۲۱۶ھ) سے تہنیت جمہوی ہے، اور شاید سب سے زیادہ متاثر تھے۔ ڈاکٹر عزیز احمد کے نزدیک، غالب کے اس شعر کا پہلا مصرعہ بہت ممکن ہے کہ ”سز ظہوری“ (دیباچہ گلزار ابراریم) کے اس نکلے: ”پتو عاقلت انداختہ غنائی را ظہوری ساخط“ سے مستفاد ہو۔“ [اردو ادب، علی گڑھ، جولائی-دسمبر ۱۸۵۲ء، تحقیقی مطالعے، لکھنؤ ۱۹۵۳ء، صفحہ ۴۱]

ظہوری کے احترام و مدح اور فیض پذیری کے اعتراف میں غالب کے متعدد فارسی اشعار ملتے ہیں۔ کام غالب فارسی ظہوری کے اسلوب و روش اور ذہن کی چھاپ بہت نمایاں ہے۔ دیکھیے ڈاکٹر وارث کرمانی کی کتاب ”Evaluation of Ghalib's Persian Poetry“ مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۳۰-۳۲۔ ڈاکٹر عزیز احمد نے عبدالملک آرووی کے حوالے سے غالب کے ایسے متعدد اردو اشعار بھی نقل کیے ہیں جو ان کے نزدیک ظہوری سے مستفاد ہیں۔ (اردو ادب، ایضاً، نیز تحقیقی مطالعے، ایضاً، ص ۲۴ و بعد)

”بیچ آہنگ“ کی اشاعت لڑل (اگست ۱۸۳۹ء) کا مضمون اردو اشتہار، اسعد الاخبار، آگرہ (۱۴ مارچ ۱۸۳۹ء) میں چھپا تھا۔ اشتہار، غالب کی طرف سے ہے اور قاضی عبدالودود کے بقول قریب بہ یقین ہے کہ انہی کا کھٹا ہوا ہے (مآثر غالب، پٹنہ ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۳) ڈاکٹر حنیف نقوی کے لفظوں میں ”قاضی صاحب کے اس فیصلے سے پورے شرح صدر کے ساتھ اختلاف بھی نہیں کیا جاسکتا (مآثر غالب، ایضاً، صفحہ ۷۹) ”بیچ آہنگ“ (مذکورہ) کے مضمون اردو، اشتہار غالب میں بھی ظہوری کا حوالہ آیا ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ چہاں ہو گئیں

خود غالب اپنی اس غزل کے بڑے مذاح تھے۔ یہ بلاشبہ ہے بھی کرامات میں سے! اس غزل کی شانِ نزول، غالب کے اگست ستمبر ۱۸۵۲ء کے ایک خط موسومہ ”میں غزل حقیر سے ہاتھ آتی ہے“:

”بھائی! خدا کے واسطے غزل کی داو دینا — صورت اس کی یہ ہے کہ ایک صاحب، شہزادگانِ جمہور یہ میں سے کھنڈ سے یہ زمین لائے۔ حضور نے خود بھی غزل کہی اور مجھے بھی حکم دیا، سو میں حکم بجالاؤ اور غزل لکھی — لو، اب غزل پڑھو۔“

[غالب کے خطوط، مرتبہ ڈاکٹر ظلیق اعظم، دہلی، جلد سوم ۱۹۸۷ء، صفحہ ۱۱۱۳]

اس خط میں ”ایک صاحب“ — ”حضور“ اور ”شہزادے“ سے مراد مرزا نور الدین ہیں، جو مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے تھے۔ یہ تفصیل دہلی اردو اخبار (جلد ۱۱۳، نمبر ۳۲) مورخہ ۲۱ رشتوال ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۸۵۲ء سے ہاتھ آتی ہے جس میں یہ غزل اس تہذیب کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

”اس ہفتے میں جو مشاعرہ جناب نور الدین بہادر دام اقبالہ اٹھکس پ شادی، نصیرہ جناب مرزا سلیمان شکوہ بہادر مرحوم نے کیا جو کہ کھنڈ سے تشریف لائے ہیں، غزل ہائے شاعرانِ کثیر پڑھی گئیں — اور شاہزادہ والہ چار اکثر رونق افروز محفل مشاعرہ تھے، — ایک غزل جناب مرزا کے مدوح یعنی میر مشاعرہ، اور غزل جناب نجم الدولہ اسد اللہ خاں بہادر اٹھکس بہ غالب کی، راقم اخبار کے پاس پہنچی، سودرچ اخبار ہوئی۔“

[نسخہ کمرشی، دوم، ص ۲۸۳]

ان اطلاعات کی روشنی میں اس غزل کا زمانہ تخلیق اگست ۱۸۵۲ء سے پہلے (جون، جولائی کا) ہونا چاہیے — اس لیے کہ بڑے بیٹے کے شادی مشاعرے کے انعقاد کی اطلاع (جس میں اکثر شاہزادگانِ والا چار نے شرکت کی)، شعرائے کرام کو مشاعرے کی طے شدہ تاریخ سے ایک دو ماہ پہلے تو ضرور ہی دے دی گئی ہو گی۔

غالب و تحفہ خوار ہو دو شاہ کو ڈھکا
وہ دن گئے جو کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

”شاہ“ سے مراد، بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵ء-۱۸۶۲ء) ہیں۔ غالب نے والی راجپور نواب کلب علی خاں کے نام ۹ جون ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں اس مقلع اور غزل کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”جب بادشاہ دہلی نے مجھ کو نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیموریہ مجھ کو تفویض کی تو میں نے (پے) غزل طرز تازہ پر نکلی۔“ (مکاسب غالب، عمرتی، راجپور، ۱۹۳۳ء، متن صفحہ ۵۲)۔ ”دھینے اور نوکری“ کے بارے میں غالب نے ”مہر شہروز“ (طبع ۱۹۵۳ء) کے سبب تالیف میں بتایا ہے کہ:

”پنجشنبہ ۲۳ رجب ۱۲۶۶ھ (مطابق ۳ جولائی ۱۸۵۰ء، کو شاہی کارکن مجھے بادشاہ ظفر کے حکم سے خلعت خانے میں لے گئے اور میرے قامت کو خلعت بخش پارچے سے آراستہ کر کے سلام گاہ میں لائے۔ دنیا و دین کے بادشاہ نے جگر گوشہ ہائے معدن یعنی جید و سرچ میرے سر پر باندھا اور رگ جان بر نیساں یعنی موتیوں کی حناں میری گردن میں ڈالی۔ نقیب مہارک سروش نے فرمان شای سنایا۔ غالب سخن سرا کو نغم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ سے سرفراز کیا۔ اور شاہان تیموریہ کی تاریخ لکھنے کا فرمان میرے نام صادر ہوا۔“

”دستو“ (۱۸۵۸ء) کی ایک یادداشت مرقومہ غالب سے اس تقرر پر کچھ حریہ روشنی پڑتی ہے۔ ”سات آنھ سال ہوئے کہ بادشاہ دہلی نے مجھ کو دہلی بلایا اور مجھ سے فرمائش کی کہ میں تیموری خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ لکھوں جس کے عوض چھ سو روپے سالانہ تحفہ دیا جائے گا۔ میں نے اس خدمت کو قبول کر لیا۔ اور میں کام میں مشغول ہو گیا۔“

(غالب اور انقلاب ستاون، ڈاکٹر سید مہین الرحمن، ۱۱ ستمبر ۱۹۷۳ء، صفحہ ۸۱)

اس غزل کو تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور ہونے اور خطاب و خلعت پانے کی تاریخ ۳ جولائی ۱۸۵۰ء کے بعد قریب کا خیال کرنا چاہیے۔

صفحہ: ۵۸

وہاں پہنچ کر جو غلش آتا ہے ہم ہے ہم کو
صدورہ آہنگ زمیں یوں قدم ہے ہم کو

یہ غزل، غالب کے قیام گھنٹو کی یادگار ہے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کے اعزازے پر مجروح کیا جائے تو گھنٹو
میں غالب کے قیام کی مدت اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر ۱۸۲۶ء تا ۲۱ جون ۱۸۲۷ء قرار پاتی ہے۔

(غالب۔ احوال و آثار، گھنٹو، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۶۳)

اس غزل کے مقلدے میں ابتدا اودھ کے وزیر اعظم "معتمدولہ بہادر" کا حوالہ آتا تھا لیکن غالب ان کی
"کرم چٹکی" سے ناامید ہوئے تو ان کا نام مقلع سے نکال دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے معتمد آغا میر۔ اسلاف و
اخلاف، از: ڈاکٹر انصار اللہ، دہلی ۱۹۸۸ء۔

صفحہ: ۶۸

اس بزم میں مجھے نہیں فتنی حیا کے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کے

مئی جون ۱۸۵۳ء کے ایک خط بنام جی بخش حقیر میں غالب لکھتے ہیں: "تم کس رشتے کو بنا لکھتے ہو" کہا
"کے" "نور" "ہوا کے" یہ غزل پر لائی ہے۔"
(غالب کے خطوط، جلد سوم، صفحہ ۱۱۲۶)

صفحہ: ۶۸

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

امتیاز علی خاں مرثی لکھتے ہیں کہ یہ شعر نسخہ رامپور قدیم میں نہیں جو ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ (۱۶ اپریل ۱۸۲۳ء)
کا مرتبہ ہے اور "نگہشن بے حار" (شیخو) مولفہ آخر سنہ ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ء) میں پایا جاتا ہے۔ لہذا اسے مذکورہ
جارتوں (اپریل ۱۸۳۳ء تا اپریل ۱۸۳۵ء) کے درمیان کا ہونا چاہیے۔"
(نسخہ مرثی، دوم، صفحہ ۳۰۸-۳۰۹)

صفحہ: ۷۲

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقی نظر ملے
خود ان غلہ میں قری صورت مگر ملے

”قرآن السعدین۔ جلد ۳، نمبر ۱۳، صفحہ ۴۹، مورخہ ۲۷ مارچ ۱۸۴۸ء میں (صدر الدین) آزرہ کا ایک دو غزلہ اسی زمین کا شائع ہوا ہے، بعید نہیں کہ یہ غزل بھی اسی زمانے کی ہو۔“
(امتیاز علی مرثی، دیوان طبع دوم، صفحہ ۳۱۲)

صفحہ: ۷۳

کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالب مولا ہے
ایک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ ”دو آئے“

”یہ غزل، دہلی اردو اخبار (جلد ۱۳، نمبر ۱۹، صفحہ ۴) مورخہ ۸ رجب ۱۲۶۷ء مطابق ۱۱ مئی ۱۸۵۱ء میں اس تمہید کے ساتھ چھپی ہے۔“ اس نشتے میں ایک غزل چناب نواب اسد اللہ خاں صاحب بہادر انتھکس بہ غالب کی ہمارے ہاتھ آئی، سو درج اخبار ہوئی۔“
(نسب مرثی، دوم، صفحہ ۳۱۷)

منشی نبی بخش حقیر کے نام (اپریل مئی ۱۸۵۱ء کے) ایک خط میں غالب نے اپنی اس غزل کا ان لفظوں میں ذکر کیا ہے: ”ایک بات تم کو یہ معلوم رہے کہ حضور میں حاضر ہوتا ہوں تو اکثر بادشاہ مجھ سے ریختہ طلب کرتے ہیں، سو وہ بھی ہوئی غزلیں تو کیا پڑھوں، نئی غزل کہہ کر لے جاتا ہوں۔ آج میں نے دو پہر کو ایک غزل لکھی ہے۔ کل یا پڑھوں جا کر پڑھوں گا۔ تم کو بھی لکھتا ہوں۔ داد دینا کہ اگر ریختہ پایہ بحر یا اہواز کو پہنچے تو اس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل؟“

ح کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالب مولا ہے۔“

(غالب کے خطوط، جلد سوم، صفحہ ۱۰۹۸)

صفحہ: ۸۱

خضر سلطان کو رکے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

غالب کے شاگرد خضر سلطان، بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵ء-۱۸۶۲ء) کے غالباً آٹھویں بیٹے تھے۔

خضر سلطان ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو میجر ہڈسن کی گولی کا نشانہ بنے (ایٹھینٹک ڈیلیو۔ ایس۔ آر ہڈسن نے خضر سلطان کو مقتدرہ ہمایوں سے گرفتار کیا، کپڑے اتروائے اور اپنے ہاتھ سے گولی باردی،

تفصیل کے لیے دیکھیے: بہادر شاہ ظفر، ڈاکٹر اسلم پروج، دہلی ۱۹۸۶ء، صفحہ ۲۱۶)

شعر میں ”خانیق اکبر“ سے مراد خانیق حقیقی، مولانا تھانی ہے۔ جبکہ مالک دام کا کہنا ہے کہ ”خانیق اکبر“ اشارہ ہے اکبر شاہ ثانی (۱۵۹۹ء۔ ۱۸۳۷ء) کی طرف جو شیرازہ خضر سلطان کے دلدار اور بہادر شاہ ظفر کے والد تھے۔

(علامہ غالب طبع دوم دہلی مئی ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۷۳)

”خانیق اکبر“ سے ظفر سلطان کے دلدار اکبر شاہ ثانی کا مراد لیا جانا خاصا دور از قیاس ہے۔ غالب کی یہ غزل ۱۸۳۷ء کے بعد ۱۸۵۲ء تک کے مابین کی ہے۔ اکبر شاہ ثانی کا انتقال ۱۸۳۷ء میں ہو چکا تھا۔

مولانا امتیاز علی عریٰ لکھتے ہیں کہ ”یہ غزل ۱۸۳۷ء کے بعد کی ہے۔ اس لیے اس شعر کو ظفر سلطان کی پیدائش سے متعلق نہ سمجھا جائے۔“ (دیوان غالب مرثی طبع دوم ۱۹۸۲ء، صفحہ ۳۱۸)

کالی داس گیتا رخصا کے بقول ”یہ شعر غالب نے ۱۸۳۱ء (یا اس کے قریب بعد کبھی) شیرازہ خضر سلطان کی ولادت (تازہ نہال) پر کہہ کر حافظے میں رکھا ہوگا۔ جب برسوں (۱۸۳۷ء کے) بعد اس زمین میں غزل کہی تو اس میں اس شعر کو بھی شامل کر دیا۔“ (دیوان غالب کامل نسخہ رخصا، بمبئی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۰۴)

صفحہ: ۸۸

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے

دے مجھے تھیں دل بہال خواب تو دے

معلومہ مآخذ کی حد تک، اس غزل کو غالب کی قدیم ترین نگارشات میں شمار اور خیال کرنا چاہیے۔ یہ غزل غالب نے ایک فرمائش پر ۱۸۱۲ء کے لگ بھگ کہی۔ زمانہ فکر کا قریب غنائی کے نام، غالب کے ایک خط مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۱۲ء سے ہاتھ آتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”پچاس برس کی بات ہے کہ اٹھنی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین بنی نکالی۔ میں نے

سب انکم، غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ:

پلا دے لوگ سے ساتی جو ہم سے نفرت ہے

بیاد گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

استد غوثی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جواس نے ”گدامیرے پاؤں داپ تو، نے“

اب میں دیکھتا ہوں کہ مقطع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل ان اشعار کے کر کے، غزل بنائی ہے اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا، اور پانچ شعر کسی آلو کے۔“ (غالب کے خطوط، جلد اول، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۹۵)

غالب کے اس بیان کی روشنی میں اس غزل کا سال تخلیق تقریباً ۱۸۱۳ء کو خیال کرنا چاہیے۔ اس وقت غالب کی عمر چھ برس کی رہی ہوگی۔ ان کی شادی ہو چکی تھی (تاریخ: ۱۹ اگست ۱۸۱۰ء) شادی کے دو تین سال بعد وہ آگرہ سے مستطاف دلی منتقل ہو چکے تھے اور شعر کہتے انہیں پانچ سات برس ہو چلے تھے۔

مقطع غالب، ان کے اردو دیوان کا قدیم ترین دستیاب نسخہ ۱۸۱۶ء کا ہے۔ اس میں یہ غزل شامل نہیں۔ ”نسخہ سید یہ“ (۱۸۲۱ء) کے آخر میں غالب کی یہ پانچ شعری غزل، پہلی بار داخل دیوان ہوئی۔

مذکور المصدر خط میں ”الچی بخش خاں“ سے مراد، نواب الچی بخش خاں معروف ہیں (وفات: ۱۸۲۶ء) جو غالب کے خسر اور خود بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ اسی زمین میں معروف کے دیوان میں گیارہ شعری غزل موجود ہے۔ (دیوان معروف، ہدایوں ۱۹۳۵ء، صفحہ ۱۳۰)

غالب کی غزلوں (”اپنا احوال، دل ناز کہوں یا نہ کہوں“ اور: ”آہ کو چاہیے اک عمر اڑتے تک“) پر الچی بخش خاں معروف کے دو غنّس بھی ”دیوان معروف“ میں ملتے ہیں (صفحہ ۱۶۱-۱۶۳)۔ معروف کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: غالب ندون خان، کالی داس گپتا رضا، بمبئی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۵۲-۱۹۳۔

کالی داس گپتا رضا کہتے ہیں کہ ”یہ غزل پہلے پہل ۱۸۲۱ء کے خطوط کے حاشیے میں ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ غزل ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیان کسی وقت بھی کہی گئی تھی، ۱۸۱۴ء میں نہیں۔“ (دیوان غالب کامل، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۲۵-۲۶) — میرے نزدیک ۱۸۲۱ء کے خطوط کے حاشیے پر غزل کے ہونے سے ظاہر ہے کہ غزل اس برس کے بعد کی تخلیق نہیں۔ یہ اس برس یا اس سے پہلے کی ہو سکتی ہے، اگر دوسرے قابل اعتبار ذرائع سے اس کا تعین ہوتا ہو۔ غالب کے ایک بہت واضح اور بے مصلحت بیان کی موجودگی میں اس غزل کا زمانہ تخلیق قریب قریب ۱۸۱۲ء ہی ماننا چاہیے۔

دی مرے بھائی کو حق نے اس سر نو زدگی

میرزا یوسف ہے غالب ایوسف بانی مجھے

غالب کی یہ غزل تو اشعار پر مبنی ہے۔ اس غزل کے دو شعر (نمبر ۳ اور ۴) نسخہ شیرانی (۱۸۲۶ء) کی ایک غزل میں شامل ہیں۔ شعر ۲، ۶، ۷ اور ۸ ”گل رعنا“ (۱۸۲۸ء) میں ہیں (اسی زمین میں لیکن ہانکل جدا لگاؤ غالب کی ایک غزل اُن کے ۱۸۱۶ء کے مخطوطے میں موجود ہے۔)

کافی داس گیتا رضانے مطلع کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالب نے اس غزل کے باقی شعین شعر (پہلا، پانچواں اور آخری) اپنے چار بھائی یوسف کی صحت یابی کی خبر (اپریل ۱۸۲۸ء) سن کر ٹککتے کے قیام کے دوران میں نگر کیے ہوں گے۔“ (دعوان غالب کامل، بمبئی، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۳۶۷)

مطلع میں غالب نے اپنے چھوٹے بھائی میرزا یوسف خاں (ولادت: اواخر ۱۷۹۹ء یا اوائل ۱۸۰۰ء، وفات: دہلی ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء) کا ذکر کیا ہے۔ ان کے حالات کے لیے دیکھیے فسانہ غالب، مالک رام، دہلی ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۸-۵۱، نیز غالب کی اس غزل اور میرزا یوسف کے بارے میں ایک اچھے محاکے کے لیے رجوع کیجیے غالب، احوال و آثار، ڈاکٹر حنیف نقوی، ممبئی، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۸۸-۹۷

غالب، مگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے نہیں

جج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

یہ غزل، قلمہ معنی کے معاصرے کی ہے۔ ”حضور“ سے مراد بہادر شاہ ظفر ہیں۔ حالی کے بقول اس شعر سے مرزا (غالب) کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانے میں لکھی تھی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ مرزا اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے صفت مانتے ہیں، مگر صفت یہ مانتے ہیں کہ حج کا ثواب حضور کی نذر کروں گا۔ ادھر سفر حج کا وہ اشتیاق اور ادھر حج کے ثواب کی یہ بے قدری۔ (یادگار غالب، طبع اڈل کانپور، ۱۸۹۷ء، صفحہ ۱۲۵)

بہادر شاہ ظفر نے ستاسی برس کی عمر پائی (۱۷۷۵ء-۱۸۶۲ء) ان کا آخری زمانہ علالت و کجاست اور بڑے

کرب و عسکری کا قتل۔ ایس۔ ایم اکرام کے بقول:

”دسمبر ۱۸۵۱ء (میں) ریزنٹ دہلی نے راج پوت بھگینی کو بادشاہ بہار اور زندگی سے بیزار ہے اور حج کے لیے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

(آثار غالب، چوتھا ایڈیشن، صفحہ ۱۱۸)

”آخر ۱۸۵۱ء میں بہادر شاہ ظفر نے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔ غالب نے اس زمانے میں جو غزل لکھی، اس کا ایک شعر ہے

حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

(ایضاً صفحہ ۱۴۳-۱۴۵)

عرشی صاحب کا خیال بھی یہی ہے کہ ”غالبا اسی موقع پر غالب نے یہ غزل لکھی“

(نسب سرشتی، طبع دوم، صفحہ ۳۲۵)

بہادر شاہ ظفر پر انگریزوں نے ہذاوت کا مقدمہ قائم کیا۔ اس مقدمے میں بادشاہ کے اپنے یہاں صفائی میں جو عدالت میں لکھ لیا گیا اور جس پر بادشاہ نے مختصر تصدیقی دستخط ثبت کر دیے تھے، بتایا گیا ہے کہ وہ مکہ معظمہ جانے کا قصد رکھتے تھے لیکن انہیں نہ جانے دیا گیا۔ بادشاہ کی اس تصدیقی دستاویز کی ایک صاف نقل نیشنل آرکائیوز میں موجود ہے۔ دیکھیے بہادر شاہ ظفر، ڈاکٹر اسلم پرویز، دہلی ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۳۰، ۱۳۳ اور ۱۳۵

صفحہ: ۱۰۴

نورِ امن ہے بیدار دوست جاں کے لیے

دہی نہ طرزِ حتم کوئی آسماں کے لیے،

”۱۸۳۵ء میں نواب امیر علی خاں نسیم نے مشاعرہ منعقد کیا اور ذوق، مومن اور غالب

کو دعوت دی تو مرزا غالب نے (یہ) ارادہ غزل پڑھی۔ اس زمانے میں انہیں نواب تاجل حسین

خان دیکھن فرخ آباد کی طرف سے دعوت آئی ہوئی تھی۔ غالب نے گئے ہاتھوں امن کی بھی

تعریف کر دی۔“ (شیخ محمد اکرام، آثار غالب، بمبئی، چوتھا ایڈیشن، صفحہ ۹۹-۱۰۰)

دیا ہے عشق کو بھی تا اسے نظر نہ گئے

بنا ہے عیش تاجل حسین خاں کے لیے

نصیر دولت و دلی اور معین ملت و ملک

ہا ہے چرخ بریں جس کے آستان کے لیے

نواب جمل حسین کی دعوت اور قدردانی کا ذکر میر احمد حسین میکیش کے نام غالب کے ایک قاری خط میں ملتا ہے۔ ”ان ہی دنوں روشن طبع امیر شکوہ نصیر الدولہ معین الملک نواب جمل حسین خاں بہادر، مسند نظمیں فرخ آباد نے میرے قلم کی گواہ افشانی سے متاثر ہو کر مجھ سے فرخ آباد آنے کی خواہش کی ہے۔ ہر چند میرے دن گوشہ نشینی اور ہمدردی میں گزر رہے ہیں لیکن ان کے مہر و اخلاص کو دیکھ کر فرخ آباد جانے کا ارادہ ہو رہا ہے۔“

(شیخ آجک، ترجمہ محمد عمر مہاجر، کراچی ۱۹۶۹ء، صفحہ ۱۳۲)

مولانا آزاد نے اپنے والد مرحوم کے حوالے سے نواب جمل حسین خاں کے احوال روایت کیے ہیں۔

(غالب اور ابوالکلام آزاد، حقیق صدیقی، دہلی ۱۹۹۶ء، صفحہ ۱۹۰-۱۹۳)

نواب جمل حسین خاں کی تاریخ پیدائش یکم جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۸۲۲ء ہے۔ انہوں نے بہت مختصر عمر پائی۔ ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کو انتقال کیا۔

(بزم غالب، عبدالرؤف عروج، کراچی ۱۹۶۹ء، صفحہ ۱۰۵-۱۰۶)

”فزل میں نواب جمل حسین خاں فرخ آبادی سے متعلق مدحیہ اشعار ہیں۔ نواب

صاحب کا انتقال ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کو ہوا۔ فزل، نثر گراہی مکتوبہ ۳۰ اگست ۱۸۴۵ء میں نہیں

ہے، لہذا اسے ۳۱ اگست ۱۸۴۵ء سے ۹ نومبر ۱۸۴۶ء تک کے درمیانی عرصے کی فکر کرو، حلیم

کرنا چاہئے۔ کالی داس گپتا رضا کے بقول دمعان ذوق مرید آزاد میں درج ہے کہ یہ فزل

نواب امیر علی خاں نسیم رامپوری، مقیم دہلی کے طرحی مشاعرے مشفقہ ۱۸۴۵ء میں پڑھی گئی تھی۔

ذوق، مومن، داغ وغیرہ بھی موجود تھے۔ گویا مشاعرہ ۱۸۴۵ء میں بعد از ۳۰ اگست ہوا تھا۔

ظاہر ہے فزل بھی اسی زمانے میں کہی گئی ہوگی۔“ (نثر گپتا رضا، بھتی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۳۸۸)

غالبیات میں نواب جمل حسین خاں کی اہمیت کا ایک حوالہ یہ بھی ہے کہ غالب کے دستیاب اردو خطوں میں

۱۸۴۶ء کا قدیم ترین خط نواب جمل حسین خاں ہی کے نام ہے۔ یہ خط، اکتوبر ۱۹۷۵ء میں غالب کے انیس نے

قاری اور اردو خطوط کے ایک مجموعے کے ساتھ لاہ آباد سے پہلی بار ہاتھ آیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، مکتوب عرشی

زادہ (رامپور)، نام: ڈاکٹر سید معین الرحمن، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۳ نومبر ۱۹۷۵ء۔

صفحہ ۱۰۷

وہر جز ہلوة یککائی مستحق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں

یہ قصیدہ "نسخہ قصیدہ" (۱۸۴۱ء) کے متن میں شامل ہے۔ اس لیے اس کا زمانہ نگارش بھی ۱۸۴۱ء قرار پاتا ہے۔ اس قصیدے کا صرف مندرجہ بالا مطلع ۱۸۴۸ء سے ۱۸۴۱ء تک کے درمیان کا اضافہ ہے۔ یہ مطلع "دیوان غالب" طبع اول (دہلی، اکتوبر ۱۸۴۱ء) میں پہلی بار دکھائی دیتا ہے، جہاں اس قصیدے کا عنوان ہے "انتخاب قصیدہ منقبت علی مرتضیٰ علیہ السلام" (صفحہ ۹۷)۔

صفحہ ۱۰۹

ہاں مہنوا نہیں ہم اس کا ہم
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

صفحہ ۱۱۳

صبح دم دروازہ خاور کھلا
سمر عالمکاب کا منظر کھلا

یہ دو قصائد غالب نے اپنے شاگرد اور مرتلی آخری مغل تاجدار ہند، ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ (ولادت: ۱۳ اکتوبر ۱۷۷۵ء، وفات: ۷ نومبر ۱۸۶۲ء) کی مدح میں کہے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر ۲۹ ستمبر ۱۸۴۷ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد معزول ہوئے اور عمر عزیز کے آخری چار برس، ہندوستان سے دور دکن میں جلا وطنی کے گزارے۔

قلندہ متعلیٰ دہلی سے غالب کا تعلق جولائی ۱۸۵۰ء سے تھا جب انہیں قطاب و خلعت ملا، پچاس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا اور مسالطین تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر مامور ہوئے۔ ذوق کی وفات، (۱۶ نومبر ۱۸۵۴ء) کے بعد، ظفر کے کام کی اصلاح کی خدمت بھی ان کے سپرد رہی۔

بہادر شاہ ظفر کے لیے غالب نے پہلا قصیدہ ان کے سالِ جلوس (۱۸۴۷ء) میں لکھا۔ یہ فارسی میں تھا۔ ظفر کے لیے فارسی میں غالب کے متعدد قصیدے ملتے ہیں، اردو میں صرف بھی دو قصیدے ہیں، جو "دیوان غالب"

کے زیرِ نظر لیغ (= نسخہ ناول) میں پہلی بار شامل ہوئے۔

صفحہ ۱۱۶

قطعہ در نمائش

ج گئے وہ دن کہ چار دستہ غیروں کی وقاداری

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی شہادت کے مطابق یہ قطعہ ”نسخہ بدایوں“ (۱۸۳۸ء) کے حاشیے پر مندرج ہے۔ دیوان غالب، طبع اول (دہلی، اکتوبر ۱۸۳۱ء) میں یہ پہلی بار چھپا (صفحہ ۹۹)۔ اس کا زمانہ تالیف ۱۸۳۸ء سے اکتوبر ۱۸۳۱ء کے مابین خیال کرنا چاہیے۔

صفحہ ۱۱۶

قطعہ ہتائش نکلنے

مولانا امتیاز علی عرشی کے مشاہدے کے مطابق نکلنے کی ستائش میں غالب کا یہ قطعہ نسخہ ”راہپور قدیم“ (۱۸۳۳ء) اور نسخہ ”بدایوں“ (۱۸۳۸ء) میں ہضمی غزلیات اور نسخہ ”دیسہ“ (۱۸۳۵ء) میں قلععات اور غزلیات دونوں جگہ درج ہوا ہے۔ دیکھیے: نسخہ کوفی طبع دوم، صفحہ ۱۳۳۔
دیوان غالب اردو (طبع اول، دہلی اکتوبر ۱۸۳۱ء) میں اس قطعے کے آخری تین شعر غزلیات کے تحت درج ہوئے ہیں (صفحہ ۵۹) اور پہلے شعر:

نکلنے کا جو ذکر کیا تو نے ہم تھیں!

اک تیر مھرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

کے اضافے کے ساتھ، یہ اشعار ”قلععات“ کے زیرِ عنوان بھی موجود ہیں (صفحہ ۱۰۰)۔

نکلنے کی مسافت اور اقامت اور پچائش و توقیت پر ڈاکٹر حنیف نقوی نے بڑی محنت کی ہے۔ غالب، نکلنے کا چار سو چار سو میل کا طویل سفر پورے تریپن دن میں طے کر کے ۱۹ دسمبر ۱۸۳۸ء کو نکلنے پہنچے اور ۱۳ اگست ۱۸۳۹ء تک کوئی ڈیڑھ برس یہاں قیام پذیر رہے۔ اگست ۱۸۳۹ء کے وسط میں نکلنے سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۹ نومبر ۱۸۳۹ء کو دہلی واپس پہنچے۔ اس کے بعد شدید خواہش اور ہشتیاق کے باوجود، پھر کبھی انہیں نکلنے جانے کا موقع نہیں ملا (غالب احوال و آثار، صفحہ ۸۲-۸۳)۔ لیکن نکلنے کے ارضی مناظر اور انسانی (نسائی) حسن کے

مطالعہ کی یادوں نے عمر بھر ان کا چھپا کیا — یہ قطعہ (زمانہ تخلیق ۱۸۳۳ء) ٹکلتے کی یاد آوری کی ایک بڑی اچھی مثال ہے۔

صفحہ ۱۱۷

”صبر آ زما وہ ان کی نگاہیں کہ دف نظر“

اس مصرعے کی توضیح میں امتیاز علی خاں عثمی نے لکھا ہے کہ ”دف نظر“ کے معنی چشم بدخود ہیں۔ اس نادرے کا پہلا لفظ ”دف“ بھی عربی ہے۔ کسی کو بری نظر لگ جائے، تو کہا جاتا ہے ”تحت اثر غل“ — اس صورت میں ”دف نظر“ سے مراد ہوگی ”نظر بد لگنے کے قائل“ جس نے رفتہ رفتہ ”نظر بد نہ لگے“ کا مفہوم اختیار کر لیا۔“ (نسو عثمی، طبع دوم، صفحہ ۱۳۳)

صفحہ ۱۱۸-۱۱۷

ہے جو صاحب کے کتب دست پہ پہنچنی ڈالی

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

بدخود پرور کے کتب دست کو دل کیجیے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سوچا کہیے

ان اشعار میں ”صاحب“ اور ”بدخود پرور“ سے مراد ہیں: مولوی سید کرم حسین بکراوی (وفات ٹکلتے ۱۸۴۱ء) ان کے احوال میں دیکھیے۔ مقدمہ ”گل رعنا“ (مالک رام، دہلی، ۱۹۷۰ء) صفحہ ۱۱-۱۹ ”چکنی ڈالی“ سے متعلق اپنے اس قطعے کے زمانہ تالیف سے متعلق غالب نے اواخر نومبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط بنام مرزا حاتم علی بیگ مہر (۱۸۱۵ء-۱۸۷۹ء) میں لکھا ہے کہ یہ قطعہ: ”میں نے ٹکلتے میں کہا تھا۔“ غالب زندگی میں صرف ایک بار ٹکلتے گئے۔ وہ ۱۹ فروری ۱۸۴۸ء کو ٹکلتے پہنچے اور ۲۹ نومبر ۱۸۴۹ء کو بکتے سے واپس آئے۔

(غالب — احوال و آثار، ڈاکٹر حنیف نقوی، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۸۲-۸۳، صفحہ ۳۱ اور صفحہ ۳۵)

اس قطعے کی تقریب، یا شان نزول اور پس منظر کے بارے میں غالب کے مذکور المصادر خط کے لفظ یہ ہیں: ”ٹکلتے میں ... مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے۔ انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈالی، بہت پاکیزہ اور بے ریش، اپنے کتب دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو

دس شعر کا قطعہ لکھ کر ان کو دیا اور صلے میں وہ ڈلی، اُن سے لی۔ غرض کہ جس پابلیس چہتیاں ہیں۔“

(نہام صبر، اواخر نومبر ۱۸۵۸ء)

زیر نظر ”نسخہ ناولہ“ میں یہ قطعہ تیرہ اشعار پر مشتمل ہے۔

حالی نے غالب کی ”ہدیہ گوئی“ کی ذیل میں اس قطعہ کے بارے میں کچھ تفصیل دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”۱۸۷۱ء میں جبکہ نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم نکلتے گئے ہوئے ہیں۔ مولوی محمد عالم مرحوم نے جو نکلتے کے ایک دیرینہ سال فاضل تھے، نواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا (غالب) صاحب یہاں آئے ہوئے تھے، ایک مجلس میں جہاں مرزا (غالب) بھی موجود تھے اور میں بھی حاضر تھا، شعر، کا ذکر ہو رہا تھا۔ اٹھائے گھنگو میں ایک صاحب نے فیضی کی بہت تعریف کی، مرزا (غالب) نے کہا: ”فیضی کو جیسا لوگ سمجھتے ہیں، ویسا نہیں ہے۔“ اس پر بات بڑھی۔ اُس شخص نے کہا فیضی جب پہلی بار اکبر کے زور ہو گیا تھا، اُس نے داعائی سو شعر کا قصیدہ اسی وقت ارتجالاً کہہ کر پڑھا تھا۔ مرزا (غالب) بولے ”اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سو نہیں تو دو چار شعر ہر موقع پر ہدیہ کہہ سکتے ہیں۔“

مخاطب نے جیب میں سے ایک پچکنی ڈلی نکال کر پھیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ ارشاد ہو۔ مرزا (غالب) نے گیارہ شعر کا قطعہ اُسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا، جو کہ اُن کے دیوانِ رباعیہ میں موجود ہے اور جس کا پہلا شعر یہ ہے:

ہے جو صاحب کے کتب دست پہ یہ پچکنی ڈلی

زیر دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

(یادگار غالب، طبع اول کانپور، ۱۸۹۷ء، صفحہ ۳۵-۳۶)

صفحہ ۱۱۸

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور دہانے

مجھے جو بھیجی ہے عین کی روٹنی روٹی

نہ کھاتے گیوں، نکلتے نہ خلد سے باہر

جو کھاتے حضرت آدم یہ عین روٹی

”حضور والا“ کا اشارہ بہادر شاہ ظفر کی جانب ہے۔

حالی لکھتے ہیں کہ:

”جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز بکواتے تو اکثر مصاحبین اور اہل دربار کے لیے ہلور بولوش کے بیجا کرتے تھے۔ اس کے شکرے میں کبھی کبھی مرزا (غالب) کوئی قطعہ، یا نہایتی بادشاہ کے حضور میں گزارتے تھے۔ یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔“

(یادگار غالب، طبع اول، دکنپور ۱۸۹۷ء، صفحہ ۱۷۰)

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے بقول: ”چونکہ یہ قطعہ نثر گراچی نوشتہ ۳۰ اگست ۱۸۳۵ء میں موجود نہیں اور (دیوان غالب) نثر مطبوعہ مئی ۱۸۴۷ء میں مندرج ہے، لہذا اسے ان دونوں تاریخوں کے درمیان کا ہونا چاہیے۔“

صفحہ ۱۱۹

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے چہ آبا بہ گری،
علم و کمال و فضل سے نسبت نہیں مجھے

اس قطعے کے مخاطب بہادر شاہ ظفر ہیں:

یہ قطعہ ”نثر گراچی“ میں شامل ہونے سے پہلے، امتیاز علی خاں عرشی کے بقول: ”مولوی محمد باقر دہلوی کے دہلی اردو اخبار، جلد ۱۳، نمبر ۱۳، مؤرخہ ۶ ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء میں اس حمید کے ساتھ شائع ہوا تھا۔“ حسب الحکم حضرت سلطانی خلد اللہ ملک، جو جناب نجم الدولہ اسد اللہ خان غالب اور جناب خانقاہی بند، ملک اشعرا، شیخ محمد ابراہیم خاں ذوق نے تفریب شادی میرزا جواں بخت بہادر، مرشد زائد آفاق، کے یکجہ اشعار بہ سبیل مبارک ہادی سہرا، اس ہفتے میں حضور سلطانی میں سر دربار گزارنے تھے، وہ چند اشعار علاوہ اس کے جو خاص نجم الدولہ بہادر نے پھر گزارنے، واسطے خط و کیفیت اپنے ناظرین اہل امر و بصیرت و ماہرین و انگلیسی فصاحت و بلاغت کے بہ موجب ترسیب در پیش ہونے کے ہم بھی درج اخبار کرتے ہیں۔“

عرشی صاحب کے مشاہدے کے مطابق پہلے غالب کا سہرا پھر ذوق کا سہرا اور بعد ازاں یہ قطعہ بعنوان

صفحہ ۱۱۹

سو پشت سے ہے چٹا آبا بہ مری
علم و کمال و فضل سے نسبت نہیں مجھے

عرشی صاحب کے تقابلی مطالعے کے مطابق مصرعہ غانی کی یہی قرأت، دہلی اردو اخبار (جلد ۱۳، نمبر ۱۳، سورہ ۶، رباعی ۱) آخر ۱۳۶۸ء مطابق ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء میں ضبط ہوئی ہے۔ (نسنو، عرشی، صفحہ ۱۳۶) دہلی غالب کی چند اول اشاعتوں میں مصرع کی شکل یہ ہو گئی ہے۔
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے!

صفحہ ۱۲۰

”سہرا لکھا گیا ز رنہ اکتال امر“

یہ اس سہرے کی طرف اشارہ ہے جو بہادر شاہ ظفر کے بیٹے میرزا جواں بخت بہادر (ولادت ۱۸۳۱ء- وفات ۱۹ دسمبر ۱۸۸۳ء) کی شادی (مارچ، اپریل ۱۸۵۲ء) کے موقع پر کہا گیا۔ شادی کی تفصیل اور شہرہ کے احوال کے لیے رجوع کیجئے۔ بہادر شاہ ظفر، از ڈاکٹر اعظم پرون، دہلی ۱۹۸۶ء، صفحہ ۷۸-۸۰، نیز صفحہ ۱۵۳-۱۵۷۔
مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا خیال ہے کہ ”سہرا“ ردیف کے ساتھ غالب سے پہلے کسی نے کوئی نظم نہیں لکھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو میرزا (غالب) صاحب اس نوع کی نظم کے موجد قرار پاتے ہیں۔“
(نسنو، عرشی، ایضاً، صفحہ ۳۹۲)۔

صفحہ ۱۲۱

”ذکرتی کے پسند ہو گیا ہے غالب“

اس رباعی کا دوسرا مصرعہ اختلافی رہا ہے۔ اس ضمن میں تازہ تر بحث کے لیے دیکھیے۔ غالبیات — کچھ مطالعے اور مشاہدے، کالی، داس گپتا، رضا، اسحاق، پوت، ۳-۱ نیز کالی داس گپتا، رضا کا مضمون: غالب کی متنازعہ رباعی پر ایک نظر، غالب نامہ، دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۵-۳۶

”مجھبی ہے جو مجھ کو شاہ جم جاہ نے دال“

اس رہائی میں ”شاہ جم جاہ“ سے مراد بہادر شاہ ظفر ہیں۔ حلی کے بھول ”پادشاہ کے ہاں موچک کی دال پکا کرتی تھی جو“ ”پادشاہ پسند“ کہلاتی تھی۔ یہ رہائی اس کے شکرے میں لکھی گئی ہے۔

[بادشاہ غالب، طبع ازل ۱۸۹۷ء، صفحہ ۲۷۴]

”ہیں شہ میں صفات ڈوالہالی باہم؟“

یہ رہائی ۷۷ رمضان ۱۲۵۷ھ (۱۲ نومبر ۱۸۴۱ء، موافق (۴) ۱۳ کانک بری سنہ ۱۸۹۸ء) سے دو چار دن پہلے کہی گئی تھی، کیوں کہ مذکورہ بالا تاریخوں کو شب قدر اور دجالہ ایک ساتھ واقع ہوتی تھیں۔

[انتیاز علی خاں مرثی، ایضاً، صفحہ ۳۴۱]

یہ رہائی دیوان غالب (طبع ازل، شعبان ۱۲۵۷ھ / اکتوبر ۱۸۴۱ء) میں شامل ہے، اس لیے یہ شب قدر اور دجالہ کے روز یا اس سے ”دو چار دن“ پہلے نہیں، بلکہ دو چار ہفتے پہلے کہی گئی ہوگی۔

”خاتمہ“ کے تحت نقدی نکات کی سرخی کی عبارت، دیوان غالب اردو، طبع دوم (دہلی، مئی ۱۸۴۷ء) میں پہلی بار بڑھائی گئی۔ عنوان کی اس عبارت کے بارے میں، میں کالی داس گپتا رضا کا ہم خیال ہوں۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت غالب کی طرف سے بڑھا دی گئی ہے۔“ [دیوان غالب کامل، نسخہ گپتا رضا، بمبئی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۹۱]

تقریباً کی عبارت، غالب کے سسرالی عزیز اور ڈی ظم شاگرد نواب محمد ضیاء اللہ بن احمد خاں، (ولادت فیروز پور جھڑک، اکتوبر ۱۸۴۱ء) کے قلم سے ہے جو قادی میں خیر اور اردو میں رعشاں تخلص کرتے تھے۔ غالب نے انہیں اپنی میراث فن کا خلیفہ قرار دیا اور ان کی مدح میں ایک گہرور قاری قصیدہ لکھا۔ [وقائع دہلی، جون ۱۸۸۵ء]

ہندوؤں میں تعداد اشعار کے لیے ۱۵۵۰ (پندرہ سو پچاس) کے بجائے ۱۵۰۰۰ پڑھا جاتا ہے۔ دائیں طرف کا پہلا سطر (۰) ”پانصد“ کی فون کا نقطہ ہے، نہ کہ تعداد کا جزو۔ درمیان کا سطر (۰) ”پچتر پرائی قلمی کتابوں اور

تقریروں کی روش کتابت کے مطابق، اصل اقد ۱۵۰۵ (چندہ اور پچاس کے دو ٹکڑوں) کو الگ الگ کرتا ہے۔ میرا یہ استنباط مالک رام کی ایک تقریر پر مبنی ہے۔ (دیکھیے: افسانہ قباب، مکتبہ جامعہ لیتھو، دہلی، جنوری ۱۹۷۷ء، ص ۳۳)۔

صفحہ ۱۴۷

صفحہ ۱۴۷ کا نصف آخر، خوشنما، سنہری، قتل ہولوں سے قریب ہے۔ اس کے وسط میں کاغذ کا ایک ان گزر ٹکڑا چسپاں ہے۔ کاغذ کا یہ قطعہ بظاہر، مخلوطے کے کاغذ ہی کا ہم رنگ اور ہم عمر دکھاتا ہے۔ اس پر نسبتاً جلی قلم سے خطہ املا کے ساتھ ”فتے دین“ اور اس کے نیچے دست املا میں ”فتح دین“ درج ہے۔ قلم اور روش خط، مخلوطے کے کاتب سے مختلف ہے۔

”غالبیات“ میں ”فتح دین“ نام کی کوئی شخصیت معلوم اور معروف نہیں، لیکن ہے یہ مخلوطہ بھی کسی ”فتح دین“ نامی شخص کی ملکیت رہا ہو۔ یا اس ”بھتی“ کے نیچے کوئی ایسا اندراج ہو جسے چھپانے کے لیے بعد میں مصلح کسی نے یہ کاٹوائی کی ہو۔ مخلوطے کے بعض دوسرے صفحات (صفحہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۲۹ اور صفحہ ۸۴) کے نیچے دائیں بائیں اطراف کی خالی جگہوں میں غالب مرمت کی غرض سے پرانے ایسی باہمی دیکر زدہ کاغذ کے ٹکڑے چسپاں ہیں، لیکن اس عمل سے مخلوطے کا متن بالکل محفوظ رہا ہے۔ پرانی کتابوں کے ایک کاروباری سے، یہ نسخہ میرے پاس آیا تو آخری صفحے کی ”بھتی“ میرے لیے الجھن کا باعث ہوئی، لیکن نایاب کتابیں آنے دن ہاتھ نہیں آتیں، ان کی ملکیت کے بارے میں زیادہ حساس ہونے کے نتیجے میں قیمتی محتاج ہاتھ سے نکل جائے تو پھر عمر بھر کا بچھتاوہ رہ جاتا ہے۔ یہ نسخہ برسوں میرے ذخیرے میں رہا۔ مجدد غالب تک درجہ بدرجہ اس کی ملکیت کے منازل، محققین اور طے کرتا مشکل ہے، یہ ضروری بھی نہیں۔ یہ، بہر حال طے ہے کہ غالب کے اردو دیوان کا یہ نادر و بیش قیمت نسخہ جو کبھی خود غالب کی ملک رہا ہے، ۱۸۵۷ء کی عارت گری کی باقیات میں سے ہے۔ یہ کیسی خوش قسمتی ہے کہ یہ بچا رہا اور بالآخر مجھ تک پہنچا، اور حاضر کی اشاعت کے باعث اس نے از سر نو زندگی پائی۔

(ڈاکٹر سید نعین الرحمن)

فارسی دیباچے اور خاتمے کا اُردو ترجمہ

غالب نے اپنے اُردو دیوان کا دیباچہ ۱۸۳۳ء میں مکمل کیا۔ یہ دیوان کی اولین اشاعت (اکتوبر ۱۸۳۱ء) کے ساتھ پہلی بار منظر عام پر آیا۔ یہ فارسی دیباچہ، غالب کی زندگی میں چھپنے والی، اُن کی، اُردو دیوان کی ہر اشاعت میں شامل رہا۔

اگلے صفحات میں غالب کے فارسی دیباچے کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ کہنے کو یہ فارسی دیباچہ چند مطبعی ہے لیکن ترجمے کے لیے کتنا سنگارغ ہے، اس کا اندازہ کچھ اس کام کو ہاتھ میں لینے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ترجمے کی یہ ڈھواں گزار مہم اولاً ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رہنمائی اور پتلا خر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی رفاقت میں آسان اور ممکن ہوئی۔

غالب کے اُردو دیوان کے خاتمے کی فارسی عبارت، نواب محمد ضیاء الدین احمد خاں کے قلم سے ہے۔ دیوان غالب کے خاتمے کی یہ تحریر ۱۲۵۳ھ (۲۷ مارچ ۱۸۳۸ء سے ۱۶ مارچ ۱۸۳۹ء) میں لکھی گئی اور دیوان غالب طبعِ اول ۱۸۳۱ء کے آخر میں، اولِ اول شائع ہوئی۔ یہ فارسی ”تقریر“ جزوی ترسیم کے ساتھ غالب کی زندگی میں چھپنے والے ہر ایڈیشن (بہ استثنیٰ طبعِ چہارم، مطبعِ نظامی، کالجیور، ممبئی۔ جون ۱۸۶۲ء) میں شامل رہی۔

اس فارسی تقریر (”خاتمے“) کے اُردو ترجمے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی تائید اور تصحیح اور تمام وکمال نظر دہانی کے بعد، اس اُردو ترجمے کی طرف سے اطمینان ہوا۔ اس لطیف کریمانہ کے لیے میں یہ دل اُن کا ممنون ہوں۔

۱۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں تیسرے درجے کے والد، نواب احمد علی خاں کے خسر، نواب الہی علی خاں معروف کے بھائی تھے۔ اس طرح غالب کی یہی امروؤ حکیم، نواب ضیاء الدین کی حقیقی چا زاد بہن تھیں۔ تیسرے درجے کے متعدد علوم اور زبانوں کے ماہر اور ایک بڑے سچے محقق و فہرہ کتب کے مالک تھے۔ دیوان غالب کی یہ فارسی تقریر انہوں نے سترہ برس کی عمر میں لکھی۔ اُن کا دفتر کام قلم و خط ۱۸۵۷ء کے پانچ سوں میں شائع ہو گیا۔ باتیات کا ایک مجموعہ ”مجلد محمد ذریعہ نیر دشتیں“ ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ سرسید احمد خاں نے ”دارالحدادیہ“ (طبعِ اول ۱۸۷۷ء) میں شاہجہاں آباد کے مشاہیر کے قتلے، اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور اُن کی فارسی نثر و نظم اور اُردو اشعار کا انتخاب پیش کیا ہے۔

اُردو ترجمہ۔ دیباچہ غالب

خوشبو آتشا زہنوں کو دھوت عام اور بزم آرا علیٰ کعبہ کے لیے خوش خبری ہے کہ اگر دان کی گردش کا کچھ سامان فراہم ہوا ہے اور بھونٹی بھر مور ہندی ہاتھ لگا ہے۔ یہ ایسی نکڑیاں نہیں، جنہیں بھرتوں کی ضرب سے خست کیا گیا ہو، یا بدسلطنتی سے توڑ کر بے وضع تراشا گیا ہو۔ بلکہ انہیں حیر سے چر کر ٹھنڈی سے دینہ دینہ کرنے کے بعد ریتی سے ہموار کیا گیا ہے۔

اس وقت جذبہ شوق، آتش پاری کی جھنجھوٹ میں بے دم ہے۔ یہ وہ آگ نہیں جو ہندوستان کی بستیوں میں ظفر کر بھی پڑی ہے اور جس نے سخی بھر راکھ سے بمسوت مل کر خود اپنی موت پر ماقی لباس پہن لیا ہے۔ اس آتش (ہندی) کی (مسلمہ) خاصیت ہے، اپنی ناپاکی کی بنا پر مردہ ہڈیوں کا ناشتہ کرنا اور دجائی کے باعث بھی ہوئی شمع مزار کے دھماگے سے متعلق رہنا۔ یہ کسی صورت بھی گدا دہی قلب کے لائق نہیں، نہ ہی بزم افروزی کے قابل ہے۔

اپنی سمانی سے آگ کا چہرہ روشن کرنے والا اور گناہ کی پاداش میں آتش پرست کو (اسی) آگ میں جلانے والا (یعنی خالق ارض و سما) خوب جانتا ہے کہ یہ جو عیدہ (یعنی مرزا غالب) اُس آتش تابندہ کی تلاش میں بے قرار ہے جو ہوشک کو مبارک باد دینے کے لیے پتھر سے نکلی تھی اور جس نے لہر سپ کے گل میں نشوونما پائی تھی۔ یہ وہ آگ ہے جو طس و خاشاک کو روشن کرتی اور گل لالہ کو رنگ بخشی ہے، جو موبد کو آگ اور گھر کو چراغ فراہم کرتی ہے۔

میں باطن کو شعر و سخن کی روشنی عطا کرنے والے معبود کا شکر گزار ہوں کہ اس آتش تابناک سے اپنی خاکستر کے لیے ایک پنکھاری حاصل کر کے بیہ کاوی میں لگا ہوا ہوں اور اپنے انفاس کی دھونگی سے اسے ہوا دے

رہا ہوں۔ لیکن ہے کہ کچھ دنوں تک اپنی مقدار مہیا ہو جائے، جو محمودان کو چراغ افروزی کی شان اور بڑے عود کو دماغ آئینائی کے لیے آذان عطا کر سکے۔

اسی طرح راقم اسطور (غالب) کا ارادہ ہے کہ دیوانِ ریاض کے انتخاب کے بعد، فارسی دیوان کے لیے سرمائے کی جمع آوری پر کمر بستہ ہو اور اس فنِ شریف کے کمال سے مستفیض ہو کر غور و فکر میں مستغرق ہو جائے۔ شاعروں کے قدر شناس قارئین سے توقع ہے کہ وہ ان پرانگندہ ابیات کو جو اس دیوان سے خارج ہیں، خاصی کی تراوشِ قلم کا نتیجہ نہ سمجھیں اور ایسے اشعار کی تعریف و تقریض میں اس دیوان کے مرتب (غالب) کو منوں و مانو نہ ٹھہرائیں۔

الحی! اس وجودِ معدوم اور مستیِ مہووم یعنی نقاش (اڑلی) کے نقشِ خاطرِ فحش کو، جس کا نام احمد اللہ خاں، عرفیت میرزا نوشہ اور تخلص غالب ہے، جس طرح تو نے آگرہ کی ولادت اور دہلی کی سکونت بخشی ہے، ہاں خرچہٴ اشرف میں تربت بھی عطا فرما۔

(۳)

اُردو ترجمہ — خاتمہ

(عبارتِ تقریظ: نواب محمد ضیاء الدین احمد خاں)

[اشاعتِ نور کی آن پان کے ساتھ تصویب اور ارق کی فب تاریک سے پییدہ
سحر کی نمود (یعنی) عبارتِ تقریظ، جس کا ظہور، دل سے نزدیک، جان کے
برابر، عالی خاندان، والا چار، محبوب بھائی نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر
سلمہ اللہ تعالیٰ کے قلم خوش رفتار سے ہوا]

چشمِ بد ذور — یہ ایک راست قد محبوب ہے جو فکر کے پاکیزہ خاندان سے مسودار ہو کر مجھ جلوہ نہائی ہے،
ایک بے نیازان چہل قدمی کرتی ہوئی مستورہ ہے جس نے پردہ دردی کے انداز میں چہرے سے نقاب اٹھا کر اپنا

دامن کمر تک اٹھایا ہے۔ یہ ایک پرستخان ہے جس میں حوروں جیسے حسین معانی کی فراوانی ہے اور ایک نرگستان ہے جو حیرت میں خود موشوں کی جلوہ گاہ ہے۔ ستاروں بھرے آسمان کی مانند موتیوں سے بھرا ہوا ایک کشادہ روشنی بھرا ہے۔ قصر خروقی بھی روشنی کا حامل شہرستان ہے جو بچکن کے سینکڑوں لکارخانوں کے بازار کو مندا (جہیل پائل) اور روشنی کو بدھم اور ماندہ) کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا روشن چراغ ہے کہ پریاں اس کے پروانوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور ایسا آسانی پر نکل ہے، جسے دانا بطور تعویذ اپنے ہاتھ پر باندھتے ہیں۔ بایں کہے کہ کسی میکائیل صفت صاحب جو دھاکار کھانے ایک وسیع دسترخوان بچھا کر طالبان شعر و سخن کو دعوت عام دی ہے۔

یہ خاتہ خدا کی مانند مقدس عبادت گاہ ہے جس کی چابی طبع سلیم کے ہاتھ میں ہے اور جس کا دروازہ صرف مخلصانہ دل کا احرام باندھنے والوں پر کھولا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا سومات ہے جس میں تنقیل کے زکار بندوں کا چوراہہ خاتہ مجدد ریح ہے، ایسا موقع ہے جس کی تاد تصاویر کی فرائض دیکھ کر بنی وارڈنگ بھی کوفش بھالائے ہیں۔

اس کتاب کا ہر صفحہ ایک بید خوان برہمن ہے اور ہر ورق لوستا پر عبور رکھنے والا موبد۔ یہ ایک جہاں نما آئینہ خانہ ہے اور ایک پاکیزہ و برگزیدہ حصار ہے۔ (ان اشعار میں) حضرت مریم کی مانند سراپدوں میں ہچکچٹ پر بیٹھنے والے پردہ نشین بھی ہیں اور شاہدانی بازاری سے بڑھ کر شوخ چشم پردہ ور بھی۔ یہ جی دست ہیں مگر دل کے غنی ہیں۔ آزادہ زو لیکن پابند، عاشق طبع ہیں لیکن خود پسند، بظاہر سادہ ہیں اور باطن نقش و نگار سے آراستہ۔ یہ بازوٹ پیشہ زہرافن ہیں، عالم بالا سے تعلق رکھنے والے موتی ہیں، جنہوں نے ہاتھ کو مسکن بنا لیا ہے۔ یہ سمندر (آگ میں رہنے والا کیزا) ہیں، مگر مگر آشام ہیں۔ یہ ایسے مگرچھ ہیں جن کا سینہ آگ سے بھرا ہوا ہے۔ ان کا ظاہر حسین ہے اور باطن ظہین، گویا مغز (بکر) پختہ ہے اور پوست (فن) عمدہ۔ یہ ایسے سے خوار ہیں جو بدستی کے عالم میں ہیں لیکن اس بے خودی کے باوجود، ہام شفق و حتمہ ہیں۔ یہ ہندوستان کے ایسے بہت ہیں جو ایران کی ہوا کھائے ہوئے ہیں (بایں کہے کہ) یہ دلی نواز ہیں لیکن پردوش اصفہان میں ہوئی ہے۔

ادو ہوا زار (اندیشہ) ہے کہ جو کچھ عرض کیا گیا، وہ آپ نہ سمجھے (ہوں)۔ درحقیقت یہ وہی اردو زبان کے دیوان کا انتخاب ہے جو اپنے خادموں کے لیے صاحب کشف و الہام، میزبان عقل، امطرلاب بصیرت، جہر آئینہ تحقیق، عجب ہے بھا کی کسوٹی، مرتبہ بلند کے زینے کی معراج، فرماں روا کے سلطان معنی پروری، حکمران جہان سنخوری، نئے انداز نگارش کی دنیا کے آقا، سپہ سالار عالم تازہ گفتاری، جسید شعر گوئی کو چاہن بیٹھے والے، چشم دید و ہری کی چٹائی بڑھانے والے، قلم کی شان کا علم بلند کرنے والے، دولت کی روشنائی کا چراغ روشن کرنے

والے دوسرے شاعروں کی شہرت کو منسوخ کرنے والی آیت، کچھ دانوں کی محفل کے صدر نظیم کے قلم، مسیحا رقم کی تراویں ہے۔

مثنوی:

- (۱) اُن کے تخیل سے شعر کو مرجہ حاصل ہوتا ہے
اور ان کے فکر سے معانی کو عظمت نصیب ہوتی ہے۔
- (۲) ان کے قلم کی چرچا ہٹ ایسی دل پسند ہے، جیسے
جنت کی باغیچوں کی از حورہ ثوابی۔
- (۳) وہ نو آسمانوں کے سب سے بڑے فرزند ہیں
اور عرشِ اعظم کے سب سے اچھے شاگرد ہیں۔
- (۴) وہ بلاشبہ دنیا بھر کے استاد کی حیثیت رکھتے ہیں
اور زمانے کے منتخب معانی شناس ہیں۔
- (۵) وہ شیریں لہانوں کے سالار اور سردار ہیں
اور اس فن میں تکلمین کے لیے باعجب فخر ہیں۔
- (۶) وہ معنی کے میدان کے بے نظیر شہسوار ہیں
اور گفتگو بیکسرانہ کے اعتبار سے اعلیٰ طوں سیرت ہیں۔
- (۷) اُن کا قلم معانی کا خزانہ اس طرح لٹاتا ہے
جیسے سون کا بادل موتی نکھیرتا ہے۔
- (۸) وہ شعر و سخن کی شراب سے مہو ہوتے ہیں اور
اُن کے افکار نے صوفیہ قرطاس کو پھولوں سے بھر دیا ہے۔

توحید پرست اور صاحبِ صفا، قابلِ تعریف عادات کے حامل، روشن کردار، بزرگ طبیعت، پاکیزہ فطرت، شرم کو فروغ دینے والے فرشتہ مزاج، کپٹنے سے دور، محبت سے چور، کیوان (زحل) کی شان والے روشن سورج، طاقت سے جبراً تعریف کے قابل، سلطنتِ معنی کے سلطان، سرِ لپا جہاں صوفی و ذوقا، آنکھ سے دل تک مرقت و حیا۔

وہ علم (دانائی) کی تصویر اور ذوق کی تجسیم ہیں

(بلکہ) جہاں جہاں اور جہاں جہاں ہیں

عالی خاندان، بلند نسب، خاتمِ اُنسین کے وہی اور چھ طیفہٴ راشد کے ہم نام یعنی میرے استاد میرے مرشد، میرے آقا، میرے بھائی میرزا اسد اللہ خاں بہادر غالب، — اعلیٰ تو اُن کے بھائے دوام سے اس کلام کی تکمیل کر اور اُن کے دیدار کے اشتیاق سے منزلِ مراد پہ پہنچا۔

بڑی دیر سے اس مطرِ خواہ نیاز مند محمد نیاہ الدین خیر کے ناقص خیال کی بلند پروازی اس فکر میں منہمک تھی اور اس بے وقار کا پورا وزن اس خیال پر مرکوز تھا کہ اپنے بھائی کے ان فرزندِ ان (معنوی) کو جن میں سے ہر ایک خانوادہٴ ضمیر کا طیف الرشید بلکہ مضامینِ دلپذیر کا پورا آدم ہے، نیک و بد کی تیز فہم دیکھنے والے نوآموزوں کی تعلیم کے لیے تیار (مرحب) کرے اور ان پیش قیست جواہر پاروں کو جن میں سے ہر ایک مستیِ عقل کی چاندی بھی کٹائی کے لیے کنگن اور ہوش کے حکیمِ نازمین کے کان کا آویزہ ہیں، آگاہی کی محراب کے روزن پر معلق کر دے۔

باقی خراس کا سازِ خدا سے بزرگ و بڑتر کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس وقت، جب نبی اکرم ﷺ (آپؐ پر اور آپ کے اصحابؓ پر بہترین درود و سلام ہوں) کی ہجرتِ مقدسہ کا سو ۲۵۴۳ھ ہے، وہ پرانی آرزو اور ولی تہا سیدھی حال چلنے والے زمانے کی اعانت اور طالعِ بیداری کی دہائی ہے، میری خواہش سے زیادہ احسن انداز میں چوری ہوئی۔ (کلام کی) جمع آوری کے ترّد کا غم دل سے دور ہو گیا اور شاد گامی نے اس کی جگہ لے لی۔

جب میں اس مجموعہٴ مبارک کی انبیاتِ شادی پر آمادہ ہوا تو ستارہٴ بھائی کی مانند روشن اشعار کی کل تعداد از قسمِ نزل و قصیدہ و قطعہ و زبانی ایک ہزار پانچ سو پچاس سے کچھ اوپر نکلے۔

خبردار! اے صاحبانِ قلم!! ہوش سے کام لو اور اے مالکانِ سماعت!! کان دھر کے سنو! ایسی شاہراہ پر چلتا مناسب ہے جس میں کثرت کے ساتھ عمدہ معانی سے تعارف ہو، طعنہٴ ذہنی کے گوشے میں بیٹھ کر تعدادِ شعراء کی کمی پر کھنچ جیوں سے کیا حاصل؟ جیسا کہ خود اس عظیم استاد نے، اسی موضوع پر اپنے فارسی دیوان میں اس شعر کے پردہٴ ساز میں کہا ہے، اور جگہ تو یہ ہے کہ خوب کہا ہے، بیت —

نگویم، تا نباشد نظرو، غالب

چہ غم، گر بہت اشعار من اندک؟

فہرست مشمولات نمکی دیوان غالب، نسخہ محفوظ:

نمکی متن مطبوعہ: ۱

○ فارسی دیباچہ از: غالب

○ غزلیات

(فہرست اشعار):

- ۱ کاندھلی ہے چڑھن، ہر حکیر تصویر کا ۳
- ۲ مبارک باد اسدا محفوظ جان درد مند آیا ۳
- ۳ صورا، مگر ۳ تنگی چشم صود تھا ۳
- ۴ دل کہاں کہ گم کئے، ہم نے مدعا پایا ۳
- ۵ آتشی خاموش کے ماند گویا جل گیا ۳
- ۶ قیس، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا ۵
- ۷ عشق، نبرد پیشہ طلب گار مرد تھا ۵
- ۸ تماشا ہے ہر یک کفِ نردن صد دل، پسند آیا ۶
- ۹ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا ۶
- ۱۰ وہ اک نگہست ہے ہم تجویزوں کے حلق لسیاں کا ۶
- ۱۱ حباب مویہ رفتار ہے، نقش قدم میرا ۷
- ۱۲ عبادت برقی کی کرتا ہوں اور انیسویں حاصل کا ۸
- ۱۳ یاں درد جو حباب ہے، پردہ ہے ساز کا ۸
- ۱۴ رکیں، یارب! یہ در کھینچ گویا کھلا ۸
- ۱۵ حلقہ تجوال، ہر یک حلقہ گرداب تھا ۹
- ۱۶ تھا پسند بزمِ وصلِ غیر، گو ہے تاب تھا ۱۰
- ۱۷ خونِ جگر دھلت مرگاہن یار تھا ۱۰
- ۱۸ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا ۱۰
- ۱۹ تاجیک باد، صورتِ خاتہ فیازہ تھا ۱۱
- ۲۰ رخم کے بھرتے حلق، ناخن نہ بدھ چاہیں گے کیا؟ ۱۲
- ۲۱ نہ ہو مرنا، تو جینے کا مرا کیا؟ ۱۲
- ۲۲ اگر اور چیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا ۱۳
- ۲۳ کہ ہے سرِ بختِ مرگاہن آہوں، پشتِ خار اپنا ۱۳
- ۲۴ نگوں غلچہء صد رنگِ دھوپ پارسائی کا ۱۳
- ۲۵ ہے تلفِ دلیق، ہر گھر وہاں ہو جائے گا ۱۵

- ۲۶ گھر میں تھو ہوا اضطراب دریا کا
۲۷ خط جام سے سراسر دھڑ گویا ہوا
۲۸ تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل پاندھا
۲۹ مگر میں نے کی تھی تو پہ ساقی کو کیا ہوا تھا
۳۰ بجز، مگر بجز نہ ہوتا، تو جہاں ہوتا،
۳۱ ڈوبیا مجھ کو ہونے لے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا!
۳۲ یاں جادہ بھی، فقیہ ہے لالے کے داغ کا
۳۳ راز نکلوں پہ بے دہلی عنوں سمجھا
۳۴ دل، جگر، جھنڈا، فریاد آیا
۳۵ آپ آتے تھے، مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
۳۶ زیارت کدو ہوں دل آزدگان کا
۳۷ اوروں پہ ہے وہ حکم کہ مجھ پہ نہ ہوا تھا
۳۸ دھڑ پر شمع، خار، کسوت، قانون تھا
۳۹ صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا!
۴۰ جس دل پہ تاز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا
۴۱ حلق کھتی ہے کہ "وہ بے مہر کس کا آشنا"
۴۲ بن گیا رقیب آخر، تھا جو رازواں اپنا
۴۳ کہ رہے چشم فریاد پہ احساں میرا
۴۴ بے شان، سبا نہیں طرزہ گمیاہ کا
۴۵ جان، زنگار ہے آئینہ ہار بہاری کا
۴۶ کہتے ہیں، "ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا"
۴۷ درد کا حد سے گزرتا، ہے روا ہو جانا
۴۸ دے بٹائے کو دل و دست، شام، سورج شراب
۴۹ جن لوگوں کی تھی ددخوہ عقوبت، گمشت
۵۰ پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت!
۵۱ یاد لائے مری بالیں پہ اُسے، پڑ کس وقت!
۵۲ دور شمع کشتہ تھا شاید خط زخماں دوست
۵۳ قمری کا طوق، حلقہ وردن در ہے آج
۵۴ اچھا اگر نہ ہو، تو سمیٹا کا کیا علاج؟
۵۵ اگر شراب نہیں، انگار ساغر کھینچ
۵۶ بارے آرام سے چیں اٹل جنا میرے بعد

- ۵۷ لکھ عشق کو ہیں پال دے در و دیوار
۵۸ جانے کا اب بھی تو نہ مرا گھر کیے بغیر؟
۵۹ جتنا ہوں اپنی طاققت دیدار دیکھ کر
۶۰ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
۶۱ میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پہ
۶۲ تغیر آب برجا ماندہ کا، پاتا ہے رنگ آطر
۶۳ تنہا گئے کیوں، اب رہو تنہا کوئی دن اور
۶۴ گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پہ
۶۵ تکلف برطرف مل جائے گا تجھ ساریب آخر
۶۶ ہے دارغ عشق، نہایت جیب کلن بنوز
۶۷ دعا قبول ہو یارب! کہ عمر عشر درازا
۶۸ گورے ہے آبلہ پا بر گہر بار بنوز
۶۹ میں ہوں اپنی شکست کی آواز
۷۰ دام خالی، قسمی مرغ گرفتار کے پاس
۷۱ لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگار آتش
۷۲ چرخ دا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداغ
۷۳ ہوئی ہے آتش گل، آب زندگانی شمع
۷۴ مجبوریاں تنگ ہوئے اسے اختیار حیف!
۷۵ کیا حرا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا تنگ
۷۶ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوتے تنگ
۷۷ یعنی بغیر یک دل بے مذعا، نہ مانگ
۷۸ بلبل کے کاروبار پہ ہیں شدہ ہائے گل
۷۹ برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
۸۰ متاع خانہ زنجیر، جز صدا معلوم
۸۱ غالب! یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں!
۸۲ وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں!
۸۳ ہے گریباں تنگ پیرا میں، جو دامن میں نہیں
۸۴ گر ایک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں
۸۵ ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو ترا کہتے ہیں
۸۶ در نہ ہم چھیڑیں گے، رکھ کر ہنرمستی، ایک دن
۸۷ میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

- ۸۸ اک پیچڑ ہے، وگرنہ مراد امتحان نہیں
- ۸۹ ایک پتھر ہے، مرے پانو میں ڈنچہ نہیں
- ۹۰ جاں سپاری شہر بند نہیں
- ۹۱ ہیں جمع نکوٹے دل چشم میں آئیں
- ۹۲ مکمل گئی باندھ گئی، سوچا سے دیوار جن
- ۹۳ کافر ہوں، مگر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
- ۹۴ یہ سوہ عن ہے ساتھی کوڑ کے باب میں
- ۹۵ "مشقور ہو، تو ساتھ رکھوں لوحہ کر کو میں
- ۹۶ خیاباں خیاباں ازم دیکھتے ہیں
- ۹۷ نیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
- ۹۸ ہے تھکائے جفا، شکوہ بیچلو نہیں
- ۹۹ یاں آنڈی یہ شرم کہ تھکرا کیا کریں
- ۱۰۰ عشق کا، اس کو گناں، ہم بے زبانوں پر نہیں
- ۱۰۱ "تجب سے وہ بولتا" یوں بھی ہوتا ہے زلمے میں "۱۰۱"
- ۱۰۲ بارے، اپنی نیکی کی ہم نے پائی داد، یاں
- ۱۰۳ کبھی سب کو، کبھی نامہ بد کو دیکھتے ہیں
- ۱۰۴ ہم بھی مضمون کی ہوا پاندھتے ہیں
- ۱۰۵ وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں
- ۱۰۶ خاک ایسی زندگی پہ کہ چتر نہیں ہوں میں
- ۱۰۷ خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ پہاں ہو گئیں
- ۱۰۸ یعنی ہمارے نجیب میں اک تار بھی نہیں
- ۱۰۹ ہوا ہے چار ایک یاں، روش چشم سوزن میں
- ۱۱۰ سوائے طوف جگر، سو جگر میں خاک نہیں
- ۱۱۱ بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں
- ۱۱۲ کہ چشم تک، شاید کلڑ کاٹا رہے دا ہو
- ۱۱۳ مجھ ہمارے ساتھ، بدولت ہی کیوں نہ ہو
- ۱۱۴ یعنی، یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہوا
- ۱۱۵ دیکھتا ہے ضد سے، کھینچ کر ہاں گن کے پانو
- ۱۱۶ صد رہ آہنگ زمیں یوں قدم ہے ہم کو
- ۱۱۷ مجھ کو بھی پوچھتے رہو، تو کیا گناہ ہو؟
- ۱۱۸ ہم حق کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو

- ۱۱۹ طوطی کو، بخش بہت سے مقابل ہے آنکھ
- ۱۲۰ جس کی بہار یہ ہو، پھر اس کی ٹراں نہ پوچھ
- ۱۲۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
- ۱۲۲ بھوں پاس آنکھ، قہقہہ حاجات چاہیے
- ۱۲۳ سو رہتا ہے، ہاندلا پکیندن سرنگوں وہ بھی
- ۱۲۴ ننگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد ظلیوں سے
- ۱۲۵ سن لپٹے ہیں، گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
- ۱۲۶ وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ قہیر سو ہے
- ۱۲۷ فلک کا دیکھا، تفریبِ حیرے یاد آنے کی
- ۱۲۸ دل جوشِ گریہ میں، ہے ڈوبی ہوئی اسامی
- ۱۲۹ جس میں کہ ایک بیچہ سور، آسمان ہے
- ۱۳۰ کیا ہوئی ظالم! تری فطرت شعاری ہائے ہائے!
- ۱۳۱ تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
- ۱۳۲ خوش ہوں کہ میری ہات بھگتی محال ہے
- ۱۳۳ غلامِ مرے دل سے کہ اس میں آگ دہی ہے
- ۱۳۴ ظاہر، کائناتِ ترے غلہ کا غلہ بردار ہے
- ۱۳۵ کندھا بھی کہاوں کو پلنے نہیں دیتے
- ۱۳۶ جسے کہتے ہیں نال، وہ اسی عالم کا شفا ہے
- ۱۳۷ بھی تیار دفا، زور چراغِ کشتہ ہے
- ۱۳۸ سرمہ، تو کہوے کہ زورِ شعلہ آواز ہے
- ۱۳۹ میری وحشت، تری شہرت ہی کسی
- ۱۴۰ صبحِ وطن ہے خندہ دغاں نما مجھے
- ۱۴۱ بیٹا ربا، اگرچہ اشارے ہوا کیے
- ۱۴۲ ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
- ۱۴۳ اس سال کے حساب کو برق، آفتاب ہے
- ۱۴۴ میں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے چا
- ۱۴۵ تب آماں ابھر میں دی نرد لیلیٰ نے مجھے
- ۱۴۶ برقِ غریبِ رامت، طونِ گرم دھواں ہے
- ۱۴۷ ہم بٹایاں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
- ۱۴۸ بس نہیں چلتا کہ پھر پھر کتبِ قاتل میں ہے
- ۱۴۹ دونوں کو اک ادا میں مضامند کر گئی

- ۱۵۰* حورانی خلد میں تری صورت نگر لئے ۷۲
- ۱۵۱* اپنے جی میں ہم نے ثنائی اور ہے ۷۲
- ۱۵۲* کوئی صورت نظر نہیں آتی ۷۳
- ۱۵۳* آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ ۷۳
- ۱۵۴* یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ "وو آئے" ۷۳
- ۱۵۵* سید، جویاے زخم کاری ہے ۷۵
- ۱۵۶* تک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی ۷۶
- ۱۵۷* مبارک خندہ دغاں لٹا ہو صبح محشر کی ۷۶
- ۱۵۸* جتنے زیادہ ہو گئے، اُچھے ہی کم ہوئے ۷۷
- ۱۵۹* تو نرسرگی نہاں ہے بہ کسبیں بے زبانی ۷۷
- ۱۶۰* اک صبح ہے دلیل خرا، سو غموش ہے ۷۸
- ۱۶۱* طاقت پیداوار انتظار نہیں ہے ۷۹
- ۱۶۲* کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے ۷۹
- ۱۶۳* خار پا ہیں جوہر آئینہ زانو مجھے ۷۹
- ۱۶۴* جاں، کانچہ صورت دیوار میں آوے ۸۰
- ۱۶۵* اُس سے میرا سب کرشمہ جمال اچھا ہے ۸۰
- ۱۶۶* احساں اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سہی ۸۱
- ۱۶۷* کہ اپنے سایے سے سر پانوں سے ہے وہ قدم آگے ۸۲
- ۱۶۸* یہ بھی مت کہ کہ جو کہے، تو کھا ہوتا ہے ۸۲
- ۱۶۹* تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟ ۸۳
- ۱۷۰* جل نکلتے، جو نے چپے ہوتے ۸۳
- ۱۷۱* اگر پہلو جی لکھے، تو جا میری بھی خالی ہے ۸۳
- ۱۷۲* اور پھر وہ بھی زبانی میری ۸۳
- ۱۷۳* پاسے طاقس، چنے خلد مانی مانگے ۸۵
- ۱۷۴* ہر غنچے کا گل ہوتا، آغوش کشائی ہے ۸۵
- ۱۷۵* لکھ دیجئے پارہ! اُسے قسمت میں عدد کی ۸۶
- ۱۷۶* حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے ۸۶
- ۱۷۷* معشوق شوق و عاشق دیوانہ چاہیے ۸۶
- ۱۷۸* میری رفتار سے بھاگے ہے، جیاباں مجھ سے ۸۷
- ۱۷۹* صبح کی مانند، زخم دل گر پانی کرے ۸۸
- ۱۸۰* ڈلے مجھے تھن دل جمال خواب تو دے ۸۸

- ۱۸۱ مرا سر رکھ ہائیں ہے، مرا تن ہار ہتر ہے
- ۱۸۲ غرور و دوقی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو ہمارے
- ۱۸۳ ناں پایہ نے نہیں ہے
- ۱۸۴ کہ اس میں ریزہ الماس بخود اعظم ہے
- ۱۸۵ مرتے ہیں، قتلے اُن کی قتل نہیں کرتے
- ۱۸۶ خط چالہ سراسر، لگا نہیں ہے
- ۱۸۷ یعنی، اس بنار کو نظارے سے پرہیز ہے
- ۱۸۸ کر گئی دلائے تن بھری عریانی مجھے
- ۱۸۹ تجھے زلف ہوا ہے خندہ زرب لب مجھے
- ۱۹۰ چمن میں، خوش نواہن چمن کی آزمائش ہے
- ۱۹۱ جہان میں کر کے اپنی یاد، شرما جائے ہے مجھ سے
- ۱۹۲ کشادہ و بسیج مژدہ، سبلی عداوت ہے
- ۱۹۳ دھوئے گئے ہم اچھے، کہ بس پاک ہو گئے
- ۱۹۴ حیض سے، سرو سبز بونہار نظر ہے
- ۱۹۵ دھوئی، حسیب احباب، جاے خندہ ہے
- ۱۹۶ آئی، زانوے فکر اختراع جلوہ ہے
- ۱۹۷ مشکل کہ تھہ سے دل خون وا کرے کوئی
- ۱۹۸ میرے دھم کی دوا کرے کوئی
- ۱۹۹ سایہ شاخ گل، انہی نظر آتا ہے مجھے
- ۲۰۰ بے تکلف، اے شرار جتنا کیا ہو چاہیے
- ۲۰۱ سوچ شراب، یک مژدہ طواب ناک ہے
- ۲۰۲ قیامت، کھنڈ لعل لباس کا خواب نکلیں ہے
- ۲۰۳ نقش پا جو کان میں دھکتا ہے اگلی ہمارے
- ۲۰۴ مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآمدے
- ۲۰۵ مری قسمت میں ہیں تصویر ہے شب ہائے جہاں کی
- ۲۰۶ خوشی، ریشہ صد نیچتاں سے خس بدعلاں ہے
- ۲۰۷ لگا، دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے
- ۲۰۸ ناف، دماغ آہوے دھبہ خنار ہے
- ۲۰۹ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تھہ سا کہیں جسے
- ۲۱۰ دماغ دل بچرو نظر لگاؤ دیا ہے
- ۲۱۱ قسمت کھلی ترے قد و رخ سے تہجد کی

- ۱۰۲ *۲۱۲ یہ رنج کہ کم ہے نے گھلام، بہت ہے
 ۱۰۳ ۲۱۳ جوشِ قدح سے، بزمِ چراغاں کے ہوسے
 ۱۰۴ ۲۱۴ ری نہ طرزِ ستم کوئی آساں کے لیے
 ۱۰۵ ۱ قصیدہ بہ شائے حضرت علی مرتضیٰ
 ۱۰۷ ۲ قصیدہ فی الحقیقت
 ۱۰۹ *۳ مدح شہنشاہِ سرانِ الدین محمد بہادر شاہ
 ۱۱۳ *۴ مدح شہنشاہِ سرانِ الدین محمد بہادر شاہ ظفر

○ قطعات:

- ۱۱۶ ۱ دل آویزی گفتار
 ۱۱۶ ۲ بیتا پیش نکلتے
 ۱۱۷ ۳ یہاں کہا میرے چنگی زلی
 ۱۱۸ ۴ عشقِ رومی کی حقیقت
 ۱۱۸ *۵ اسے شہنشاہِ ملکِ مظلوم ہے مشقِ نظیر
 ۱۱۹ *۶ مشکور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

○ کرباعیات:

- ۱۲۰ ۱ بعد از اتمامِ بزمِ صہبِ اطفال
 ۱۲۰ ۲ شب، زلف و رخِ عرقِ فشاں کا غم تھا
 ۱۲۱ ۳ آتشِ ہادی ہے جیسے شعلہٴ اطفال
 ۱۲۱ ۴ دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمیہ سہی
 ۱۲۱ ۵ ہے خلقِ حسدِ قمارِ لانے کے لیے
 ۱۲۱ ۶ دل سخت ہو کر ہو گیا ہے گویا
 ۱۲۱ ۷ دیکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب!
 ۱۲۲ ۸ مشکل ہے نہیں کام میرا اسے دل
 ۱۲۲ ۹ کبھی ہے جو مجھ کو شاہِ جمِ جاہ نے دال
 ۱۲۲ ۱۰ ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی ہاتم
 ۱۲۲ *۱۱ حق، شہ کی بھلا سے خلق کو شاہ کرے
 ۱۲۲ *۱۲ اس رشتے میں تاکہ تار ہوں، بلکہ سوا

- والادت: ○ ۵ نومبر ۱۹۳۲ء، پٹنہ، بنگالہ، مشرقی بنگالہ، انڈیا
- تعلیم: ○ میٹرک: بہاول کالج، بہاول نگر، ۱۹۵۷ء ○ انٹرمیڈیٹ: بہاول کالج، بہاول نگر، ۱۹۵۹ء
- بی۔ اے: اردو کالج، کراچی، ۱۹۶۱ء ○ فرسٹ ایل ایل بی: اردو لاء کالج، کراچی، ۱۹۶۳ء
- ایم۔ اے (اردو): کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۶۳ء
- بی اے (انگریزی) (اردو): سندھ یونیورسٹی، جامشورو، ۱۹۷۲ء

موجودہ مصروفیت:

- ڈپٹی، ٹیکنی آف آرٹس ○ پروفیسر: صوفی قسیم خیز
- صدر شعبہ اردو، پنجابی، گورنمنٹ کالج، لاہور
- ایچ۔ ٹیچنگ نائٹ، ویسٹرن برٹش شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، لاہور

مقبول مصروفیات:

- پیگم اور شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، بہاول نگر، ۱۹۶۳ء-۱۹۶۵ء
- پیگم اور شعبہ اردو، بنگالہ یونیورسٹی اور ٹیکس کالج، لاہور، ۱۹۶۵ء-۱۹۶۶ء
- پیگم اور شعبہ آئٹ، ایف سی کالج، لاہور، ۱۹۶۷ء-۱۹۷۳ء
- پروفیسر و صدر شعبہ اردو، داکس پرنسپل، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد (اگل چار)، جنوری ۱۹۷۴ء-جنوری ۱۹۸۱ء
- صدارتی ایوارڈ، اعزاز فضیلت، حکومت پاکستان، ۱۹۸۹ء

تصفیحات و تالیفات، ڈاکٹر سید نعیم الرحمن

○ سلسلہ غالب:

- ۱۔ اشاریہ غالب، ۱۹۶۹ء، ۱۹۹۸ء
- ۲۔ غالب اور انتخاب ستاروں، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء
- ۳۔ حیدر علی دہان غالب، (اردو)، ۱۹۷۶ء، تحقیقی غالب، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۸ء
- ۵۔ غالب کا طنز سرہانہ، ۱۹۸۹ء، ۲۰۰۰ء
- ۶۔ تحقیقی اور تلاش غالبیات، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۵ء
- ۷۔ جاکیر غالب (پر قلمی چند)، ۱۹۹۳ء
- ۸۔ نوزل، غالب اور حسرت، (رشید احمد صدیقی)، ۱۹۹۵ء
- ۹۔ لطیف ٹیپی (غالب)، ۱۹۹۵ء
- ۱۰۔ نقوش غالب، ۱۹۹۵ء
- ۱۱۔ دکار غالب، (سید دکار عظیم)، ۱۹۹۷ء
- ۱۲۔ غالب بیانی، ۱۹۹۸ء

- ۱۳۔ تحقیق نامہ غالب، ۱۹۹۸ء ۱۴۔ دیوان غالب، نسخہ کاتب، ۱۹۹۸ء
 ۱۵۔ بازیافت غالب، ۱۹۹۹ء ۱۶۔ منتخب کلام غالب (انگریزی ترجمہ مطلوب الحسن سید)، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء
 عد۔ دیوان غالب، نسخہ کاتب، صحیح صورت حال، ۲۰۰۰ء
 ۱۸۔ دیوان غالب، نسخہ کاتب، ڈی کس اینڈ لیکن، ۲۰۰۰ء
 ۱۹۔ برسیل غالب، ۲۰۰۰ء ۲۰۔ غالب آشنائی (زیر طبع)
 ۲۱۔ غالب: جہات و جہتو (زیر طبع)

○ سلسلہ بابائے اردو:

- ۱۔ بابائے اردو — احوال و اشعار، ۱۹۶۳ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۶ء
 ۲۔ کلید عبدالحق، ۱۹۶۸ء، ۱۹۹۵ء ۳۔ ذکر عبدالحق، ۱۹۷۵ء، ۱۹۸۵ء
 ۴۔ فرمودات عبدالحق، ۱۹۷۸ء، ۱۹۹۶ء ۵۔ بابائے اردو — خدمات اور فرمودات، ۱۹۹۶ء
 ۶۔ یادگار عبدالحق (زیر ترتیب)

○ سلسلہ اقبال اور سید وقار عظیم:

- ۱۔ سید وقار عظیم — سوانحی خاک، ۱۹۶۷ء، ۱۹۸۰ء
 ۲۔ جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ، ۱۹۷۷ء
 ۳۔ اقبالیات کا مطالعہ — سید وقار عظیم، ۱۹۷۷ء، ۱۹۹۵ء
 ۴۔ فورٹ ولیم کالج — سید وقار عظیم، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۵ء
 ۵۔ چند قدیم ڈرامے، سید وقار عظیم، ۱۹۹۲ء
 ۶۔ اردو ڈراما — فن اور منزلیں، سید وقار عظیم، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۶ء
 ۷۔ اردو ڈراما — تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ، سید وقار عظیم، ۱۹۹۶ء
 ۸۔ اقبال — شاعر اور فلسفی، سید وقار عظیم، ۱۹۹۷ء
 ۹۔ جہان اقبال، ۱۹۹۷ء ۱۰۔ وقار غالب، سید وقار عظیم، ۱۹۹۷ء

○ سلسلہ رشید احمد صدیقی اور یلدرم:

- ۱۔ خیالستان یلدرم، ۱۹۶۸ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۳ء
 ۲۔ مطالعہ یلدرم، ۱۹۷۷ء، ۱۹۹۵ء
 ۳۔ آپ جی — رشید احمد صدیقی، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۷ء، ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۳ء
 ۴۔ جدید اردو و غزل — رشید احمد صدیقی، ۱۹۸۷ء

- ۵۔ نزل، غالب اور حسرت، (رشید احمد صدیقی)، ۱۹۹۵ء
- ۶۔ مضامین رشید، رشید احمد صدیقی، ۱۹۹۰ء۔ رشید احمد صدیقی کے خطوط (زیر طبع)
- ۸۔ خطاں — رشید احمد صدیقی (زیر طبع) ۹۔ مجموعہ نگارشات یلدرم (زیر ترتیب)

○ دیگر محققین تالیفات:

- ۱۔ قادیان اعظم اور کابل چہر، ۱۹۷۶ء، ۱۹۹۸ء، ۲۔ نذر انکار (انتقار احمد چشتی)، ۱۹۷۶ء
- ۳۔ عمر نقوش، محمد طفیل، ۱۹۸۳ء ۴۔ نثری ادب، ۱۹۸۶ء تا ۲۰۰۰ء، (= چندروائیہ نثر)
- ۵۔ یونورسٹیوں میں اردو تحقیق، ۱۹۸۹ء ۶۔ یونورسٹیوں میں اردو تحقیق معرکہ کار (زیر طبع)
- ۷۔ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج — کواٹک اور کمار کوٹی، ۱۹۸۹ء
- ۸۔ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج چندرو سالہ کادگڑاوی، (با اشتراک محمد سعید)، زیر طبع
- ۹۔ بیت المقدس (ملٹی عبدالقدیر)، ۱۹۹۵ء ۱۰۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۱، ۱۹۹۱ء-۱۹۹۲ء
- ۱۱۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۲، ۱۹۹۲ء-۱۹۹۳ء ۱۲۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۳-۴، ۱۹۹۳ء-۱۹۹۵ء
- ۱۳۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۵، ۱۹۹۵ء-۱۹۹۶ء ۱۴۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۶-۷، ۱۹۹۷ء-۱۹۹۸ء
- ۱۵۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۸، ۱۹۹۸ء-۱۹۹۹ء ۱۶۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۹، ۱۹۹۹ء-۲۰۰۰ء
- ۱۷۔ حجاج منظور (خواجہ منظور حسین کی علمی و علمی یادگاریں)

○ تصنیفات بسلسلہ ڈاکٹر سید نعین الرحمن:

- ۱۔ نقوش غالب، مرتبہ ڈاکٹر سید نعین الرحمن، لاہور، ۱۹۹۵ء
- ۲۔ تین اہم غالب شائے، مولانا مہر، مالک رام اور نعین الرحمن، مقالہ اہم نقل (اردو) از غیر پروج شعبہ اردو، شاہ عبداللطیف یونورسٹی، فیروز پور، ۱۹۹۹ء
- ۳۔ دل کی کتاب، مرتبہ انبساط امین مناسی، لاہور، ۱۹۹۹ء
- ۴۔ دیوان غالب، لکھنؤ، تجزیہ و تبیین، مرتبین ڈاکٹر سید معراج فیر، امیر علیہ سید، لاہور، ۱۹۹۹ء
- ۵۔ نمینیل غالب، مرتبہ سید وقار نعین، لاہور، ۲۰۰۰ء

کھر کا جی "الوقار" ۵۰- لوئر مال، لاہور-۱

فون نمبر: ۳۱۱۲۶۱

وہ کام جو سالم اور اے، ملک، اسباب اور صحاح کے باوجود نہیں کر سکتے وہ ڈاکٹر نعین الرحمن خاموشی سے تھا اور یکے بعد دیگرے کیسے کر رہے ہیں؟
— مفتی رفیع مسعود، لاہور

how much creative exuberance was possessed by Ghalib at which stage of his age, and what styles he employed to express his ideas during the different phases of his life.

Apart from the table of determination of possible time of composing of *Ghazals* (غزلیات), *Qasoids* (قصائد), *Qataat* (قطعات) and *Rubaiyat* (رباعیات), the exposition and appendixes (page 189-214) also invite attention. It is better to keep silent in connection with what I underwent in collecting and analyzing all this material. In short, the section may be termed as of immense value.

Urdu translation of Ghalib's persian preface (پیشگفتار) of his Urdu Diwan and its "Taqrreez" (تقریر) (piece of appreciative writing) by Nawab Ziauddin Ahmad Khan which makes the ending of "*Diwan-e-Ghalib*" (دیوان گلاب), is another uniqueness of this work. This translating attempt of the Preface and Ending, I hope be treated as a big jump or leap towards the understanding of Ghalib.

To some extent, it is my proud and profound submission that no other contemporary manuscript of Ghalib's Urdu Diwan which bears the corrections by the pen of Ghalib himself, has been preserved and presented with so much beauty, effort, zeal and fineness.

Now, when I look back how I could manage to do all that, I do not feel like believing that it was I who did all this delicate and tedious work by waking at nights despite ill health and other responsibilities. It is perhaps love and deep interest in a work of one's taste, which makes possible what was apparently impossible.

Ghalib is the main point of my research work. I have never felt this activity unprofitable or unfruitful. I devoted, until now, more than 30 years of my life to research work on Ghalib, out of which 15 to 17 years have been spent on editing and compiling this manuscript of *Diwan-e-Ghalib* (دیوان گلاب) —

This work has squeezed my blood. But the way it has been appreciated by scholars and men of insight, is a big reward for me. Life is after all something mortal. But if someone succeeds in doing something lasting, I believe, he is not in a loss.

(DR. SYED MOEEN-UR-REHMAN)

Home Address:

AL-WAQAR

50-Lower Mall, Lahore, Pakistan.

Ph: 92-42-7311261

Dean Faculty of Arts,

Professor: Sufi Tabassum Chair,

Heat Department of Urdu & Punjabi,

Govt. College, Lahore, Pakistan.

back to 1852, was prepared in its time with ideal efforts. It is likely to be a last pearl from the superb collection of Nawab Ziauddin Ahmad Khan or some prince.

It has also been pointed out by an eminent researcher Prof. Dr. S. Hameed Ahmad Naqavi of Banars Hindu University (India), that this fine hand-written manuscript may be the one, which Ghalib presented to the ruler of JAIPUR in December, 1852.*

However, it is certain that this rare handwritten copy of Urdu "*Dewan-e-Ghalib*" is from among the extents of the devastation of 1857.

The "*Khwaja Edition*" (نسخہ خواجہ) is the one and the only source left in hand, to fix the date of composition of Ghalib's Urdu *Ghazals* (غزلیات), *Qasaid* (قصائد), *Qoutat* (قطعات) and *Rubaiyat* (رباعیات), until the first half of 1852.

The prevailing Urdu Diwan of Ghalib consists of nearly 1800 verses, of which about 400 verses of Ghalib, can only be dated by the help and authenticated reference to the "*Khwaja Edition*" (نسخہ خواجہ) —

Another vivid importance of this manuscript lies in fact, that it has been under the view of Ghalib, and at several places correction has been made by the pen of Ghalib himself.

This very precious, important and rare manuscript of Ghalib's Urdu Diwan is being presented and preserved in the form of this present volume with necessary introduction, additions, expositions and appendixes. This work of research has come to be completed after years of application and diligence.

The *Introduction* of "*Dewan-e-Ghalib: Nuskha-e-Khwaja*" (from page 15-44) consists of covering and analysing almost all the relevant issues. In this section of the book, the above page numbers (from 1 to 127) indicate page of original manuscript and the number down the pages (پاؤں کی نمبر) indicate the serial number of the book.

Under the "Additions" (pages 173-188) all the possible dates of form-wise composition of the poetry have been indicated in the light of basic source material available. This table of determined period of the composition and creation of poetic works will help the students (and even scholars) of Ghalib, to understand the development of Ghalib's thought and expressive power. They will be able to assess

* For detail please see the book: "درجہ ان غالب: نسخہ خواجہ: تجزیہ و تفسیر" Compilers:

○ Dr. S. Meraj Nayer,

○ Asghar Nadeem Syed.

Al-Waqar Publications, Lahore, Pakistan, 2000, p.39 to 47.

"Diwan-e-Ghalib: Khwaja Edition" (دیوانِ غالب، نسخہ خواجہ) is latest research discovery relating to researches on Asadullah Khan Ghalib (1797-1869).

It is indeed a matter of coincidence and good luck that in 1981 a hand written manuscript of Urdu Diwan of Ghalib came my way, which is calligraphed before August 1852 and which bears corrections by the pen of Ghalib himself. To become a part of my personal collection of this precious manuscript, is itself a God-made affair.

After 15 to 17 years hard labour, the textual criticism and editing of this unique manuscript, could be completed and published from Lahore (Pakistan), in 1998.

A very kind mentor and guide of mine Khwaja Manzoor Hossain (1904-1986), the celebrated scholar of English and Urdu literature, was deeply eager of the manuscript being printed. I could publish it, at last under the name of "Khwaja's Edition" (نسخہ خواجہ), in memory of Khwaja Sahib—, on the occasion of second century celebrations of Ghalib's birthday in late 1998. This work has been acclaimed so far as the best scholarly contribution in connection with the two hundredth birth anniversary of the poet—GHALIB.

The Ghalib manuscript (Khwaja Edition) published in 1998 reproduced only four pages of the original in facsimile fashion and the rest is a black and white reflection of the manuscript with the page to page edited text in letters called "Nastaleeq" (نستعلیق)—

The present deluxe edition is being reproduced in full glory, in laid, as it is with gold, and illuminated with colours and decorated with calligraphic pannels.

The deluxe edition in hand, is fully based on the manuscript prepared at great expense under Ghalib's supervision with assistance from someone of his contemporary patron. The manuscript is in Mughal tradition initiated by Babar, on the model of artists of the Persian School whose illuminated and illustrated texts of the *Shahnama* (شاهنامہ), the poetic romances *Khuraw* and *Shireen* (خضر اور شیریں), *Lilyah* and *Majnu* (گلشن اور مجنون), the *Gulistan* (گلستان) and the *Bustan* (بوستان), form glorious part of art in Islam.

Decorated with golden work, it bears royal adornment. The manuscript, dated

The Printing work
of this edition is partly sponsored

by

- *Begum Sarfaraz Iqbal,* Islamabad
- *Inbisat Ameen Abbasi,* Faisalabad

of Pakistan,
and two affectionate families
outside the Pakistan:

- *Abdul Wahab Khan Salim,*
Begum Khurshid Salim, New York, USA.
- *Syed Rasheed Akhtar,* Vancouver, Canada.

و

”غالب کہ قابضِ ابدیم ہے تو کتنا ہے“

Long live Ghalib!

His equal perhaps

will not be born



(Dr. Syed Moeen Ur Rehman)

URDU

DIWAN-e-GHALIB

(K h w a j a E d i t i o n)

Introduced and annotated by,

SYED MOEEN-UR-REHMAN

AL WAQAR PUBLICATIONS

Post Box No. 7104, Lahore, Pakistan.

ڈاکٹر نعیم الرحمن صاحب نے اپنی دہلیلی خاص سے غالب کا "اصل اور پڑا" قدیم نسخہ نکال کر شائع کیا اور اس نسخے کو ہمارے آثارِ مسلم خزانہ منظور حسین سے معائنہ کر کے اسے "نسخہ کلوہ" کا نام دیا۔ میں اسے سچا سچا چھوڑ رہا ہوں۔ ڈاکٹر نعیم الرحمن کو بھی اور غلطی نسخے وصول کرنے میں اور ان کی نواد میں کمال حاصل ہے۔

— اشفاق احمد —

گوہر شب چراغ، حقیقہ و حاشا میں جان بکھا دینے والوں کی کے ہاتھ لگتا ہے۔ سندھ نعیم الرحمن کا بھی ویسا ہی معاملہ ہے۔ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں، نوادر جن کی حاشا میں رہتے ہیں۔ ایک اور دواعیہ غالب کتبہ ۱۸۵۲ء کو انہوں نے اپنے بڑے بزرگ، انگریزی کے مشہور عالم خزانہ منظور حسین مرحوم سے نسبت دے کر "نسخہ کلوہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس سعادت مددی اور تہذیبی نورگوں کی جتنی شاہ ہوا، کم ہے۔ نعیم الرحمن نے اس دولت سے بہا کو شائع کر کے عام کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ نسخہ حسن اور صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین میں انہیں دس سال سے زیادہ کی محنت لگنی پڑی تھی۔ یہ کام انکی ہی محنت کا تقاضا کرتا تھا۔

"دیوان غالب، نسخہ کلوہ" ایک تحفہ ہے۔ کام غالب کی حقیقہ و تدوین سے دل بچھی دیکھنے والے اس گوہرِ نایاب تک رسائی کے لیے بیحد ڈاکٹر سندھ نعیم الرحمن کے معنوی کم رو ہیں۔ اس قسم کے نادر و نیکس خطوط کی اشاعت کی بھاری صورت وہی ہو سکتی ہے جو نعیم صاحب نے اختیار کی۔

— ڈاکٹر شریف شہزاد —

"دیوان غالب" (نسخہ کلوہ) کو میں نسخہ کھوری کہوں گا یا پھر نسخہ نعیم الرحمن — نسخہ کلوہ دواعیہ کی یہ بطور اصل ہے۔ نسخہ نعیم الرحمن یوں کہ یہ ان کے قوط سے نام تک پہنچا ہے۔ نعیم صاحب کا قوط یوں بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس طرح وہ محفوظ رہا، جرنہ معلوم نہیں آج وہ کہاں ہے؟ نسخہ کھوری یا نسخہ بھوپال کا مشرقی سب کے سامنے ہے۔ نعیم الرحمن صاحب نے جس تخلیقی خاطر کے ساتھ اس نسخے کو احتیاط کے ساتھ رکھا اور پھر خوش اسلوبی کے ساتھ چھاپا، یہ دونوں باتیں در طلب ہیں۔

— شعیب الحسن خاں —

سواد کم ہونے کے جب غالب یہ ملے نہ کہ کس کا کہ "دیوان غالب، نسخہ کلوہ" پڑا، نسخہ ہے یا ان سے بہت کم کوئی اور؟ بہر حال یہ بحث اتنا اہم نہیں، جتنا اس کی تدوین کا ہے۔

— ڈاکٹر ایم ایف۔ ڈی۔ ڈی۔ —

ڈاکٹر سندھ نعیم الرحمن کا مرتبہ دواعیہ، "نسخہ کلوہ" ایک اہم، مفید اور کارآمد کام ہے اور بہت ضروری تھی۔ نسخے کی اصل ملکیت کی شناخت اتنی ضروری نہیں، جتنی یہ کہ یہ مطلوبہ کام، کام غالب ہے کہ نہیں جو یقیناً غالب ہی کا ہے۔ اور اس کلام کا جہد حصہ کیا جا سکتا ہے۔

— کالی داس پتیا رتھ —

دیوان غالب کے (کئی) انتہائی مختصر و مفید، بھر ہیں۔ خوش قسمتی سے "نسخہ کلوہ" وہاں محفوظ ڈاکٹر سندھ نعیم الرحمن اپنے حیدر غالب سے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ یہ ان کی محنتوں کا سب سے بڑا انعام ہے۔ انہوں نے محفوظ غالب کے خطبے کی اس ضروری کڑی کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بجائے، اسے شائع کر کے ہم سب کو اس کا حصہ دار بنادیا۔۔۔ میری تجویز تھی کہ "نسخہ کلوہ" کے دوسرے نسخوں میں پورا محفوظ اصل رنگوں کے ساتھ شامل ہو۔ اب کی بار "نسخہ کلوہ" پورے کا پورا اصل رنگوں کے ساتھ Facsimile کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ اس سے ایک طرف غالب (اور خود نعیم صاحب) کے عجیب و غریب ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، دوسری طرف کتابتِ آزاد کی یہ بڑھکھو بند مظل اسلوب کا ایک دلکش نمونہ اور سے سامنے آتا ہے۔۔۔ جس میں، بھال اور کمال اہتمام کے ساتھ یہ چھاپا گیا ہے، اس پر پاکستان کا بے سے بڑا کوئی بھی اشاعت گھر فخر کر سکتا ہے۔

— ڈاکٹر شریف شہزاد —